ابن صفی کی

جاسوسی دُنیا

PDFBOOKSFREE.PK

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شمارہ نمبر ۱۲۰

ابن صفی کی جاسوسی دنیا کا

خاص نمبر

دھماکہ

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا حیرت انگیز کارنامہ

ابنِ صفی

اسرار پبلیکیشنز ۱/۲ فردوس کالونی۔ کراچی ۱۸

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اِس ناول کے کردار، واقعات
مقامات قطعی فرضی ہیں۔ کسی
قسم کی مماثلت محض اتفاقیہ ہوگی۔
جس کے لیے ادارہ یا مصنف ذمہ دار نہ ہوں گے

اسرار احمد (ابنِ صفی) نے ایجوکیشنل پریس سے چھپوا کر دفتر اسرار پبلی کیشنز
کے فردوس کالونی کراچی سے شائع کیا

پیشرس

عرضۂ دراز کے بعد فریدی، حمید اور قاسم سے ملئے... لیکن قبل اس کے آپ اس کہانی سے لطف اندوز ہوں۔ آپ کو تھوڑا سا بور بھی کروں گا۔ یعنی پھر دہی کاغذ... کتاب کی قیمت بڑھانے کے بعد سے اب تک کاغذ کی قیمت میں قریباً پچیس فی صد اضافہ ہوگیا ہے۔ میں نے قیمت صفحات میں اضافے کے ساتھ بڑھائی تھی لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ بات کیسے بنے... اقیمت میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا آپ ہی کوئی حل تلاش کیجئے! آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا لیکن خدارا قیمت بڑھانے کو نہ کہئے گا۔ کوئی اور حل۔ جو اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ صفحات پھر کم کئے جائیں۔ قلم باریک کرایا جائے اور بائیس کی بجائے تیئیس سطریں لکھوائی جائیں اور مواد اُتنا ہی رہے جتنا اضافے کے صفحات سمیت دے رہا ہوں۔ میرے خیال سے اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ فوراً مطلع کیجئے!

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ آپ انگلش میں بھی لکھنا شروع کر دیجئے اس طرح آپ کی اقتصادی حالت بھی مغربی ہی ملکوں کے مصنفوں کی سی ہو جائے گی۔ انگریزی میں ساری دنیا کا مارکیٹ آپ کو ملے گا۔ اگر باہر ہی کا کوئی پبلشر بھی مل گیا تو اتنی رائلٹی ملے گی کہ آپ بھی ارل اسٹینلے گارڈنر کی طرح اپنا ہوائی جہاز رکھ سکیں گے۔

بھیا! ہوائی جہاز رکھ تو سکوں گا لیکن اُس پر بیٹھے گا کون؟... تھان پر بندھا ہنہنایا کرے۔ گا یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اُس پر بھی "ابنِ صفی کا ہوائی جہاز" لکھوا لوں گا اور دیکھ دیکھ کر خوش ہولیا کروں گا...

بھائی محض ہوائی جہاز کے ڈر سے آج تک فرانس نہیں جا سکا نہ جانے کیوں فرانس جانے کو اتنا دل چاہتا ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے آپ ابنِ صفی سابق لالوکھیت والا اور حال مقیم ناظم آباد ہی رہنے دیجیے!
کہ میری بھی بہتری ہے اور آپ بھی ہر ماہ میری کتاب پڑھتے رہیں گے۔ ورنہ اگر ہوائی
کے ڈر سے لکھنا ہی چھوٹ گیا تو کیا ہوگا۔

میری جیسی بھی اقتصادی حالت ہے اس پر رب العزت کا احسان مند ہوں!
ہوں... دولت کی ریل پیل ذہنی سکون کی دشمن ہوتی ہے آدمی مشین بن کر رہ جاتا ہے
لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ میری ضروریات پوری ہوتی رہیں اور مجھے آپ سے قرض
پڑے۔ میں اسے سب سے بڑی دولت مندی سمجھتا ہوں کہ جب میں سونے کے لیے
تو مجھے فوراً نیند آجائے۔

ایک صاحب نے پوچھا ہے۔ آخر یہ زیرو لینڈ ہے کہاں؟... کب پتہ چلے گا
؟!

عرض ہے کہ ابھی میں بھی تلاش ہی ہوں۔ مجھے بھی نہیں مل سکا! اس کے مختلف
میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ مرکز تک پہنچ نہیں ہو سکی۔ جب بھی پہنچ سکا آپ کو مطلع کر
۔ آگے چل کر سوال کیا ہے کہ عمران، فریدی اور حمید کی عمریں کیا ہیں۔ بھائی۔ خواتین
یہ حضرات بھی اپنی اصل عمر ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ آپ پر منحصر ہے جس
چاہے تعین کر لیں۔ انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا....

والسلام

ابنِ صفی

۳/۹/۷۷

بالآخر قاسم گھر سے نکل بھاگا۔ بیوی نے زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ وجہ تھی قاسم کی ڈاڑھی۔ پچھلے پندرہ دنوں سے وہ ڈاڑھی بڑھانے کے خبط میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ سر کے بال تو پہلے ہی سے کاندھوں تک پہنچے ہوئے تھے لیکن وہ اُسے جدید فیشن کے مطابق سمجھ کر نظر انداز کر گئی تھی۔ لیکن جب قاسم نے شیو کرنا بھی ترک کر دیا تو ایک دن جھلا کر بولی "کیا اب میرے دادا جان بنو گے۔!"

"اپنا بھی بنوں غا۔!" قاسم نے خوش ہو کر کہا۔

"میں کہتی ہوں اگر تم نے شیو نہ کیا تو اچھا نہ ہوگا!"

"قیا اچھا نہ ہوگا۔!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"بالکل جنگلی معلوم ہونے لگے ہو!"

"میں پوچھ رہا ہوں قیا اچھا نہ ہوغا!"

"میں کہیں چلی جاؤں۔!"

"کب؟" قاسم نے بہت زیادہ خوش ہو کر پوچھا۔

"تم تو چاہتے یہی ہو۔!"

"قیوں نہ چاہوں۔ کس کام کی ہو۔!"

"باوا جان سے پوچھو جا کر۔!"

"وہ بہت بھولے بھالے ہیں۔ شرما قر جوتا اُتار لیں غے!"

"ابھی فون کرتی ہوں۔!"

"یہیں اٹھا لاؤں فون۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جہنم میں جاؤ۔!" وہ پیر پٹخ کر بولی اور وہاں سے چلی گئی۔

لیکن حقیقتاً بات یہیں ختم نہیں ہو گئی تھی۔ اُس نے سچ مچ عاصم صاحب کو فون پر اس کی سچویشن کی اطلاع دے دی۔!

"نماز بھی شروع کی یا نہیں۔" عاصم صاحب نے سوال کیا۔

"ارے چچا جان... آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ وہ ہپی بننے کے خبط میں مبتلا ہو گئے ہیں!"

"چرس تو نہیں پینے لگا۔!" عاصم صاحب نے غالباً بوکھلا کر پوچھا تھا۔

"گھر میں تو نہیں پیتے۔!"

"منہ سے بدبو آتی ہے۔!"

"میں نہیں جانتی۔!" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"اچھا اُسے میرے پاس بھیج دو۔!"

اُس نے باپ کا پیغام بیٹے تک پہونچا دیا اور بیٹا بھڑک اُٹھا...

"اُن کے فرشتے بھی میری ڈاڑھی نہیں منڈوا سکتے!"

"یہی جواب دے دوں فون پر تمہاری طرف سے!" بیوی نے پوچھا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود بات کر لوں گا۔"

"سر کی مالش کرا کے جانا!" بیوی بولی۔

ایک گندی سی گالی قاسم کے ذہن میں گونج کر رہ گئی۔ اور اُس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے کہ کہیں زبان سے بھی نہ پھسل جائے اور پھر اُس کی زبان! چھٹانک بھر کی گالی بھی ڈیڑھ من کی معلوم ہوتی تھی۔

بہر حال باپ کے پاس جانے کا تخیہ دے کر گھر ہی سے نکل بھاگا اور ایک دوسرے درجے کے ہوٹل میں پناہ لی۔ اوّل درجے کے کسی ہوٹل کا رُخ اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہاں باپ کے جان پہچان والوں سے مڈبھیڑ ہو جانے کا امکان تھا۔ ہوٹل میں قیام ہو جانے

کے بعد اُسے وہ شخصیت یاد آئی جس نے اُس کی روکھی پھیکی زندگی کو یہ نیا موڑ عطا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ شخصیت کیپٹن حمید کے علاوہ اور کون ہوتی۔ اور کون تھا جو قاسم کو اتنی باقاعدگی سے منہ لگا سکتا۔ اُس کے دوسرے ملنے والے تو اُسے "مہابور" سمجھتے تھے!

ایک دن قاسم نے زندگی کی بے کیفی کا شکوہ کیا تھا۔ اس پر حمید نے کہا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے ہپی کیوں نہیں بن جاتا۔ زندگی میں نیا پن بھی پیدا ہو جائے گا اور وہ زندگی میں کم از کم ایک بار ڈاڑھی سمیت بھی اُسے اپنے خانۂ دل میں جگہ دینے کی کوشش کرے گا۔ پھر دونوں شمالی سرحد کی طرف نکل چلیں گے۔ جہاں سفید فام غیر ملکی ہپیوں کے قافلے بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ان میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اور بسا اوقات اتنی دلکش ہوتی ہیں کہ بس دیکھتے ہی رہ جاؤ۔ سہل الحصول بھی ہوتی ہیں اور اس پر اُن کے مرد ساتھیوں کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا بشرطیکہ تمہاری جیب اُن کے لیے چرس مہیا کر سکے۔

قاسم اس ذکر پر مبہوت رہ گیا تھا۔ سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ہر چند کہ مشورہ یونہی روا روی میں دیا گیا تھا۔ لیکن وہ سیریس ہو گیا۔ دوسرے دن شیو نہیں کیا تھا۔ اور پھر پندرہ دن میں تو شکل ہی نہیں پہچانی جاتی تھی۔ حمید نے کم از کم بیس دن کا کورس بتایا تھا لیکن پندرھویں ہی دن اُسے اطلاع دینی پڑی کہ وہ "صاحبِ ریش" ہو گیا ہے۔

"لیکن، ابھی مجھے فراغت نصیب نہیں ہوئی۔" دوسری طرف سے حمید کی آواز آئی۔

"اَمے قیوں بور کرتے ہو۔" قاسم نے ماؤتھ پیس میں کہا!

"پانچ دن مزید انتظار کرو۔ اُس کے بعد سے چھٹیاں شروع ہوں گی!"

"ابے چھٹی کی ایسی تیسی کیا کسی نے پکڑ کر باندھ دیا ہے کہ یہاں تک بھی نہیں آ سکتے۔!"

"جس ہوٹل میں تم ٹھہرے ہوئے ہو اُس کے قریب سے گزرنا بھی میرے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باعثِ توہین ہو گا۔!"

"بڑے نواب جادے ہیں سالے۔!" قاسم بھنا کر بولا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔ "اَبے ہاں نہیں تو قیا میں دودھ پیتا بچہ ہوں... دیکھا جائے غا۔!"

پھر وہ تنہا ہی ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ایسے شوروم میں داخل ہوا جہاں موسیقی کے آلات فروخت کیے جاتے تھے۔ وہاں سے ایک گیٹار خریدا اور اُسے کاندھے پر ڈال کر یونہی بے مقصد آوارہ گردی کی ٹھان لی۔ جدھر سے بھی گزرتا لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھنے لگتے۔ ایسا دیو زاد ہپی شاذ ہی کبھی نظروں سے گزرا ہو۔

پیدل چلتے چلتے تھک گیا تو بھنّا کر ایک ٹیکسی میں بیٹھا اور پھر ہوٹل کی طرف پلٹ آیا۔

کمرے میں پہنچ کر وہ فون کی طرف جھپٹا اور بڑے طیش کے عالم میں ایکس چینج کو کیپٹن حمید کے نمبر بتائے۔ اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوتے ہی ماؤتھ پیس میں دہاڑا "اُلّو کی طرح گھوم پھر کر واپس آ گیا ہوں۔"

"اُلّو کو اُجالے میں نکلنے کی ضرورت ہی کیا تھی!" حمید کی آواز آئی۔

"سالے تم نے پھر میرا کباڑا کیا ہے...!"

"صبر سے کام لو۔ پانچ دن بعد۔"

"قیا ہو غا پانچ دن بعد۔ ہپی لونڈیاں آسمان سے برسیں گی!" قاسم دانت پیس کر بولا "یہ تم نے مجھے اُلّو بنایا ہے!"

"اتنا بڑا اُلّو میرا باپ بھی نہیں بنا سکتا۔!" حمید کی آواز آئی۔

"چُپ رہو۔ خدا تمہیں غارت کرے۔ دربدر کر دیا مجھ تو۔!"

"تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر میری عدم موجودگی میں کوئی ہپی عورت مل بھی گئی تو تم اُس سے کہو گے کیا۔!"

"ابے ہاں یہ بات تو ہے!" قاسم یک بیک ڈھیلا پڑ گیا۔

"لہٰذا پانچ دن بعد جب میں بھی پوری طرح ہپی بن جاؤں گا تو پھر بات بنے گی!"

"تم بھی بنو گے۔!" قاسم نے حیرت سے کہا!

"اگر کبھی کسی ہپی کے ساتھ کوئی شریف آدمی دکھائی دیا ہو تو بتاؤ۔!"

"وہ تو نہیں دکھائی دیتا۔!"

"بس تو پھر مزید پانچ دن صبر کرو!"

"اور یہیں پڑا رہوں۔!"

"کیا حرج ہے! اس طرح تمہاری تڑپ اور بڑھے گی اور تم کام کے ہپی بن جاؤ گے!"

"اکیلے مجھے شرم آتی ہے... گھبرا کر ایک گیٹار خرید لیا ہے!"

"یہ تو تم نے بہت اچھا کیا... اَب آرام سے بیٹھو اور گیٹار پر زو زو، زو زو زو زو میرا محبوب ہے تو بجانے کی کوشش کرو!"

"اَبے ہاں یہ زد زو زو زو قیا ہے...!"

"کُتّے کو چک چک چک کر کے بُلاتے ہیں نا... اِسی طرح محبوب کو بُلانے کے لیے زو زو زو زد کرتے ہیں۔!"

"ابے نہیں...!"

"ہاں... ہاں... ورنہ یہ گانا اتنا مقبول کیوں ہوتا!"

"میں نے تو نہیں دیکھا کسی کو زو زو زو کرتے!"

"تم نے ابھی محبوب ہی کہاں دیکھا ہے۔!"

"اکیلے مجھ سے گیٹار بھی نہیں بجے غا۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اسی لیے جورو نے گھر سے نکال دیا ہے۔"

"اے جبان سنبھال کے ۔ میں خود نقلا ہوں!"

"اچھا۔ اچھا چین سے بیٹھو۔" حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

قاسم نے آنکھیں نکال کر انسٹرومنٹ کو گھورا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"قون ہے!" قاسم دہاڑا۔

"روم سروس جناب!" باہر سے آواز آئی۔

"آجاؤ۔!"

ایک ویٹر دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ نے طلب فرمایا ہے جناب!"

"میں نے۔!" قاسم نے سوالیہ انداز میں کہا اور ویٹر قریب آکر آہستہ سے بولا۔

"یہاں چرس پینا منع ہے۔!"

"قون پیتا ہے!" قاسم دہاڑا۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔ میں تو یہ عرض کرنے حاضر ہوا تھا کہ چرس بھی مہیا کی جا سکے گی۔ بنے بنائے سگرٹ... بس قیمت ذرا زیادہ ہوگی۔ بیس روپے کا دس کا پیکٹ۔"

قاسم کو اس دوران میں یاد آگیا تھا کہ ہپی چرس بھی پیتے ہیں لہٰذا جلدی سے پرس نکالا اور دس دس کے دو نوٹ کھینچ کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے وہ قاسم کو سگرٹ کا پیکٹ دیتا ہوا بولا۔ "اگر کسی حسین ساتھی کی ضرورت ہو تب بھی مجھے ہی یاد رکھیے گا۔ میرا نام شریف ہے!"

"حسین ساتھی۔ کیا مطلب۔"

"آپ تو بہت بھولے معلوم ہوتے ہیں جناب!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے!"

"معافی چاہتا ہوں۔ آپ زیادہ شوقین مزاج نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن دولتمند ضرور ہیں ورنہ یہاں کیوں تشریف لاتے۔"

"پتا نہیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو!" قاسم ٹھوک نگل کر بولا۔

"آپ کے قبیلے کے لوگ تو عموماً فٹ پاتھوں ہی پر رات بسر کرتے ہیں!"

"اچھا... اچھا!" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "ہاں ہاں میں شوقین ہوں!"

"شوق برا نہیں ہے! تو پھر لاؤں کسی کو!"

"سوچ کر بتاؤں گا۔"

"ضرور ضرور... بس کچھ زیادہ خرچ کرنا پڑے گا!"

"کتنا زیادہ۔!"

"تین سو اس کے ڈیڑھ سو میرے اور ڈیڑھ سو ہوٹل کے۔ آپ بہت شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں اس لیے آپ سے کھل کر بات کر رہا ہوں!"

"چھ سو۔ کچھ ایسے زیادہ بھی نہیں ہیں؟"

"آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی!"

"تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔!"

"بہت بہتر۔ روم سروس کو فون کر کے شریف کو طلب کر لیجیے گا!"

وہ چلا گیا اور قاسم خاموش بیٹھا طرح طرح کے منہ بناتا رہا پھر یک بیک دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی کہتا بھی جا رہا تھا۔ "یقین میں اس سے ہوں غا کیا... لیکن میں اس سے کہوں غا کیا۔! ابے حمید سالے میں قیا قروں...!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنل فریدی نے بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں رکھ دیا اور سامنے بیٹھے ہوئے مخنی سے زرد رُو آدمی پر اُچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی۔

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"آپ نے ابھی تک نہیں بتایا کہ مجھ سے کیوں ملنے آئے ہیں!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"مم... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ۔ آپ سے کیا کہوں... اور آپ کچھ کر بھی سکیں گے یا نہیں۔ خواہ مخواہ اپنی زندگی کو خطرے میں کیوں ڈالوں۔ وہ ہاتھ۔ بہت لمبے ہیں!"

"آپ خاصے پریشان معلوم ہوتے ہیں!"

"اور میں شکوہ آباد سے آیا ہوں...!"

"اوہ... اچھا۔!"

"اور ایسی کہانی لایا ہوں جو صرف میری نہیں بلکہ شکوہ آباد کے لاکھوں شہریوں کی کہانی ہے۔ اور آج کی کہانی نہیں ہے۔ کئی سال سے ہم کتوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عادی ہو گئے ہیں۔ میں کبھی آپ کے پاس نہ آتا اگر اس دوران میں ایک نئی مصیبت نازل نہ ہو گئی ہوتی!"

"میں اُسی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں!"

"آپ کو علم ہو گا کہ وہاں کئی جگہ بموں کے دھماکے ہوئے ہیں۔ لوگوں کی املاک تباہ ہوئی ہیں اور کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے ہیں!"

"مجھے علم ہے! اس کے ذمہ داروں کی تلاش جاری ہے!"

"میں ایس۔ پی سٹی کو اسی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا تھا لیکن اُس نے دھکے دلوا کر اپنے آفس سے نکال دیا!"

"آپ مجھے بتایئے!"

"میں کھل کر عرض کروں گا کہ ایس۔ پی سٹی ان واقعات کے ذمہ دار افراد سے واقف ہے۔ لیکن...!"

"ہو سکتا ہے۔ میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کروں گا۔ لیکن آپ ایس پی سٹی کو کیا بتانا چاہتے تھے!"

"میں اُسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے ان واقعات کے ذمہ دار کو دیکھا تھا اور اُس کے جسم کی بناوٹ اور چلنے کے انداز سے اُسے پہچان سکتا ہوں!"

"شکل سے نہیں پہچان سکتے!"

"جی نہیں۔ اندھیرا پھیل چکا تھا جب میں نے اُسے دیکھا تھا۔"

"میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں!"

"آپ کو علم ہے کہ شکوہ آباد میں نزارت کی تفریح گاہ شہر سے خاصی اونچائی پر واقع ہے۔ شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ اور میں وہیں ایک ویران گوشے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دن بھر کی تھکن کے بعد وہاں شام کی سرد ہوائیں نیند ہی لاتی ہیں۔ بہرحال میں نے اپنے قریب ہی بھاری قدموں کی آوازیں سُنیں اور چونک پڑا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا اور قوی ہیکل آدمی تھا اور اپنی دُھن میں آگے، بڑھا جا رہا تھا۔ میری طرف توجہ تک نہیں دی۔ مطلب یہ کہ شاید اُسے علم نہیں تھا کہ اُس گوشے میں اُس کے علاوہ اور کوئی بھی موجود ہے۔ وہ چٹان کے سرے کی طرف بڑھتا رہا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں وہ نادانستگی میں چٹان کے نیچے ہی نہ جا پڑے۔ ہو سکتا ہے کوئی سیاح ہو۔ پہلی بار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادھر آیا ہو۔ میں اُسے آگاہ کرنے کے لیے اُٹھ ہی رہا تھا کہ وہ چٹان کے سرے پر پہنچ کر رک گیا۔ میں پھر بیٹھ گیا اور اُس کی طرف سے توجہ ہٹالی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر متوجہ ہونا پڑا کیونکہ وہ اُونچی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اور جو کچھ بھی کہہ رہا تھا وہ اتنا واضح تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ مجھے آج بھی یاد ہے!"

"کیا کہہ رہا تھا!" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کہہ رہا تھا اے روشنیوں کے شہر میں تجھے اندھیروں کی گود میں سُلا دوں گا۔ تیرے سارے حُسن کو خاک میں ملا دوں گا۔ شاید تجھے یاد نہیں کہ اٹھارہ سال پہلے تیری گود میں ایک عورت بیوہ ہوئی تھی اور تو نے اُسے سر چھپانے تک کی جگہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ شکاری کُتے اس پر جھپٹے تھے اور تو نے اُسے پستیوں میں دھکیل دیا تھا۔ میں تیری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

"خوب۔!" فریدی سر ہلا کر رہ گیا۔ اور اجنبی کہتا رہا۔

"بس جناب عالی۔ دوسرے ہی دن سے وہ دھماکے شروع ہو گئے تھے!"

"تو آپ یہی کہانی شکوہ آباد کے ایس۔ پی کو سُنانا چاہتے تھے!" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"اور اُس نے سُننے سے انکار کر دیا تھا۔"

"جی ہاں۔!"

"اچھا ہی ہوا۔"

"میں نہیں سمجھا جناب!" اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ظاہر ہے کہ آپ اُس شخص کی نشاندھی نہ کر سکتے۔ اور ایس پی آپ کو پریشان کر ڈالتا۔ اس کی شہرت اچھی نہیں ہے!"

"اور اُس کے معاملے میں وہاں سے لے کر یہاں تک سب بے بس ہیں وہاں نہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اُس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سیشن جج ...!" اجنبی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"آپ کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے تو نہیں ہے!"

"جی نہیں!" اجنبی نے تلخ لہجے میں کہا! "لیکن وہ جب چاہے ہر ایک کو کسی سیاسی جماعت سے نتھی کر کے ناکوں چنے چبوا سکتا ہے!"

"ممکن ہے آپ کا خیال دُرست ہو۔ وہ بہت دنوں سے وہاں ملک دشمن اور تخریب کار عناصر سے برسرِ پیکار ہے!"

"اگر اُس کے بارے میں آپ کی یہی رائے ہے تو ناحق میں نے اتنا لمبا سفر کیا۔!" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"آپ نے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا!"

"میرا نام شیر افگن ہے اور میں آج تک ایک چوہا بھی نہیں مار سکا!"

"خوش مزاج آدمی معلوم ہوتے ہیں!"

"شکوہ آباد کے نواح میں میرا ایک چھوٹا سا مویشیوں کا فارم ہے! زیادہ تر اپنے کاروبار میں اُلجھا رہتا ہوں... ویسے میرے باپ کو علم ہوتا کہ جوان ہو کر ایسا نکلوں گا تو کبھی میرا نام شیر افگن نہ رکھتا۔"

"آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں جناب!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "آپ بڑے دل گردے والے لگتے ہیں۔ آپ کے علاوہ آج تک اور کوئی مرکز والوں کے پاس ایس پی شکوہ آباد کی شکایت نہیں لایا۔"

"اگر وہ میری بات سُن لیتا تو میں بھی نہ آتا۔"

"مجھے حیرت ہے؟" فریدی بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ادھر آیا ہو۔ میں اُسے آگاہ کرنے کے لیے اُٹھ ہی رہا تھا کہ وہ چٹان کے سرے پر پہنچ کر رُک گیا۔ میں پھر بیٹھ گیا اور اُس کی طرف سے توجہ ہٹالی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد مجھے متوجہ ہونا پڑا کیونکہ وہ اُونچی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اور جو کچھ بھی کہہ رہا تھا وہ اتنا اہم تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ مجھے آج بھی یاد ہے!"

"کیا کہہ رہا تھا!" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کہہ رہا تھا اے روشنیوں کے شہر میں تجھے اندھیروں کی گود میں سُلا دوں تیرے سارے حُسن کو خاک میں ملا دوں گا۔ شاید تجھے یاد نہیں کہ اٹھارہ سال پہلے تیری گود میں ایک عورت بیوہ ہوئی تھی اور تو نے اُسے سر چھپانے تک کی جگہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ شکاری کُتے اس پر جھپٹے تھے اور تو نے اُسے پستیوں میں دھکیل دیا تھا۔ میں تیری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

"خوب۔!" فریدی سر ہلا کر رہ گیا۔ اور اجنبی کہتا رہا۔

"بس جناب عالی۔ دوسرے ہی دن سے وہ دھماکے شروع ہو گئے تھے!"

"تو آپ یہی کہانی شکوہ آباد کے ایس۔ پی کو سُنانا چاہتے تھے!" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"اور اُس نے سُننے سے انکار کر دیا تھا۔"

"جی ہاں۔!"

"اچھا ہی ہوا۔"

"میں نہیں سمجھا جناب!" اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ظاہر ہے کہ آپ اُس شخص کی نشاندھی نہ کر سکتے۔ اور ایس پی آپ کو پریشان کر ڈالتا۔ اس کی شہرت اچھی نہیں ہے!"

"اور اُس کے معاملے میں وہاں سے لے کر یہاں تک سب بے بس ہیں۔ وہاں نہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اُس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سیشن جج...!" اجنبی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"آپ کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے تو نہیں ہے!"

"جی نہیں!" اجنبی نے تلخ لہجے میں کہا! "لیکن وہ جب چاہے ہر ایک کو کسی سیاسی جماعت سے نتھی کر کے ناکوں چنے چبوا سکتا ہے!"

"ممکن ہے آپ کا خیال دُرست ہو۔ وہ بہت دنوں سے وہاں ملک دشمن اور تخریب کار عناصر سے برسرِ پیکار ہے!"

"اگر اُس کے بارے میں آپ کی یہی رائے ہے تو ناحق میں نے اتنا لمبا سفر کیا۔!" اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"آپ نے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا!"

"میرا نام شیر افگن ہے اور میں آج تک ایک چوہا بھی نہیں مار سکا!"

"خوش مزاج آدمی معلوم ہوتے ہیں!"

"شکوہ آباد کے نواح میں میرا ایک چھوٹا سا مویشیوں کا فارم ہے! زیادہ تر اپنے کاروبار میں اُلجھا رہتا ہوں... ویسے میرے باپ کو علم ہوتا کہ جوان ہو کر ایسا نکلوں گا تو کبھی میرا نام شیر افگن نہ رکھتا۔"

"آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں جناب!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "آپ بڑے دل گردے والے لگتے ہیں۔ آپ کے علاوہ آج تک اور کوئی مرکز والوں کے پاس ایس پی شکوہ آباد کی شکایت نہیں لایا۔"

"اگر وہ میری بات سُن لیتا تو میں بھی نہ آتا۔"

"مجھے حیرت ہے؟" فریدی بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کس بات پر!"

"اس آدمی کی باتوں سے اس حد تک متاثر ہونے کے باوجود بھی آپ نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔"

"یقیناً گرتا!" وہ لمبی سانس لے کر بولا۔ "لیکن اُس نامُراد مرض کو کیا کروں جو کبھی کبھی بڑے بے تکے مواقع پر اُبھر آتا ہے!"

"اوہ...!"

"بیٹھے بیٹھے۔ پیرا چانک سو جاتے ہیں۔ اور کم از کم آدھے گھنٹے تک اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتا۔"

"یہ کبھی کبھی ہوتا ہے!"

"جی ہاں۔ بہت علاج کیا۔ لیکن شفا نہ ہوئی۔ بس دوائیں استعمال کرنے سے جلدی جلدی مرض کا حملہ نہیں ہوتا۔"

"دیسی طریقِ علاج بھی کبھی آزمایا۔"

"نہ جانے کتنے اقسام کے تیلوں کی مالش کراڈالی ہوگی۔!"

"سوال تو یہ ہے کہ آپ اُسے پہچانیں گے کس طرح اگر کہیں مل بھی گیا یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکیں گے کہ یہ وہی ہے! بے شمار قد آور اور بھاری جسم والے شکوہ آباد میں ہوں گے!"

"اپنے چلنے کے انداز کی بنا پر پہچانا جا سکتا ہے!"

"سمجھ میں آنے والی بات ہے!" فریدی سر ہلا کر پُر تفکر لہجے میں بولا۔

"چلنے کے انداز سے میں اُسے پہچان لوں گا۔!"

"اور آواز تو پہچان ہی سکیں گے!"

"بالکل۔ بالکل...!"

"آواز سے جوان لگ رہا تھا یا معمّر...!"

"یہ کہنا مشکل ہے۔ بعض جوانوں کی آوازیں بھی بوڑھوں جیسی ہوتی ہیں!"

"زیادہ تر ایسا نہیں ہوتا۔"

"بہر حال میں یقین کے ساتھ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اُس آواز کو ہزاروں میں پہچان لوں گا۔"

"اور اُس کا دوبارہ ملنا محض اتفاق پر مبنی ہوگا۔"

"بس یہی ایک دشواری ہے!"

"ہے نا دشواری۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "لیکن شاید میں آپ کے اِس مرض کے سلسلے میں کچھ کر سکوں جس کا ذکر ابھی آپ نے کیا تھا۔"

"آپ اس کے لیے کیا کر سکیں گے۔"

"علاج۔ میرا ایک شناسا شکوہ آباد ہی میں رہتا ہے۔ اور علم العقاقیر کا ماہر ہے۔!"

"علم العقاقیر کیا؟ میں نہیں سمجھا!"

"جڑی بوٹیوں کا علم۔ اُس کے پاس بے شمار نسخے ہیں۔! شاید آپ اُسے جانتے بھی ہوں۔"

"یہ پروفیسر مُلیٹھی کا ذکر تو نہیں ہے۔!"

"وہی وہی۔!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "جڑی بوٹیوں کے خبط ہی کی بنا پر شاید آپ لوگوں نے اُسے یہ نام دیا ہے۔ ورنہ کبھی پروفیسر غلجی کہلاتا تھا۔"

"وہ تو دیوانہ ہے جناب!"

"اور شاید آپ کے بیان کردہ حُلیے پر بھی پورا اُترتا ہے۔ خاصا لحیم شحیم ہے۔ پتہ نہیں چلنے کا انداز بھی اُسی کے مطابق ہے یا نہیں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اجنبی کچھ نہ بولا۔ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ شاید فریدی کے اس ریمارک نے اُسے حافظے پر زور ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بولا! "دیقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"وہ تنہائی میں بڑبڑاتا بھی رہتا ہے۔ دھمکیاں دینے کی بھی عادت ہے!"

"اَب آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے!"

"آواز کو بھی یاد کیجیے۔ پہلے بھی آپ نے اُس کی آواز سُنی ہو گی۔!"

"نہیں جناب۔ آواز پروفیسر کی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ پروفیسر کی آواز تو ہر حال میں پہچانی جائے گی۔ اتنا لمبا چوڑا ہونے کے باوجود بھی چیں چیں بولتا ہے۔"

"اور شاید اُس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسی بیوہ عورت بھی نہیں رہی جس کے لیے وہ شکوہ آباد کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر تل جائے۔"

"مجھے اس کا علم نہیں۔!"

"تو پھر یہ دھمکی؟"

"میں یہی سوال لے کر حاضر ہوا ہوں؟ شکوہ آباد میں اَب کوئی بھی محفوظ نہیں رہا تخریب کار کسی خاص اور اہم آدمی کو نشانہ بناتے تھے۔ لیکن اس بار تو جسے بھی چاہا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ عام دہشتگری کی سی صورت ہے!"

وہ کچھ نہ بولا اور فریدی نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر بعد شیر افگن نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میں اس وقت خود کو اوّل درجے کا بیوقوف محسوس کر رہا ہوں!"

"آخر کیوں؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے خواہ مخواہ آپ کا وقت برباد کیا۔"

"ہرگز نہیں شیر افگن صاحب! آپ کو اس وقت سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا ہے کہ اَب آپ خود کو اس مرض سے نجات پایا ہی ہوا سمجھیے!"

"لیکن میں اس مرض کی دوا لینے تو نہیں آیا تھا آپ کے پاس!"

"میں سمجھتا ہوں!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "آپ چاہتے ہیں کہ میں شکوہ آباد کے معاملات میں مداخلت کروں۔"

"جی ہاں! میں یہی چاہتا ہوں!" شیر افگن خوش ہو کر بولا۔

"لیکن اَب یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "مجھ سے وہ اجازت نامہ واپس لے لیا گیا ہے جس کے تحت میں اتنا با اختیار تھا۔"

"مجھے حیرت ہے!"

"آپ کو حیرت نہ ہونی چاہیے۔ سیاسی حالات آپ کے سامنے ہیں!"

"اوہ تو کیا آپ پر بھی اس کا اثر پڑا ہے!"

"مجھ پر ہی نہیں۔ ہر اصول پسند آدمی بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہے!"

"اور اس بھیڑیئے کو شکوہ آباد میں کھلی چھٹی ہے!"

"کس بھیڑیئے کی بات کر رہے ہیں۔ وہ جسے آپ نے نزارت کی تفریح گاہ میں دیکھا تھا۔"

"جی نہیں۔ میں اُس بھیڑیئے کی بات کر رہا ہوں جس نے مجھے اپنے دفتر سے نکلوا دیا تھا۔ شکوہ آباد کے بے تاج بادشاہ کی بات کر رہا ہوں۔ وہ جو ملکی قوانین کو پسِ پشت ڈال کر اپنے قوانین خود وضع کرتا ہے۔ جس کی بیداد کی فریاد، شکوہ آباد کی کوئی عدالت بھی نہیں سن سکتی۔"

"مجھے علم ہے شیر افگن صاحب!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"شکوہ آباد شریفوں کے رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ لیکن ہم اپنی زمینیں اور املاک چھوڑ کر کہاں جائیں۔ غیر ملکی ہپیوں کے غول کے غول چاروں طرف دندناتے پھرتے ہیں۔ کھلے عام منشیات کی اسمگلنگ اور تجارت ہوتی ہے۔ جہاں کسی نے احتجاج کیا تخریب کاری کے الزام میں دھر لیا گیا۔"

"میں سب کچھ جانتا ہوں شیر افگن صاحب... لیکن جب تک میرے محکمے کا سربراہ مجھے وہاں کسی کام پر نہ لگائے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا!"

"پھر بھی آپ کہتے ہیں کہ میں خود کو بیوقوف محسوس نہ کروں!"

"لیکن اگر میں اپنے کچھ دن شکوہ آباد میں گزارنا چاہوں تو اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔ میں اپنی چھٹیاں وہیں گزاروں گا جو پانچ دن بعد سے شروع ہو جائیں گی!"

"کیا پہلے ہی سے ارادہ تھا۔"

"جی ہاں۔ اس دوران میں میرے کئی قریبی دوست بھی تخریب کار بنا دیے گئے ہیں لیکن میں اس پر تیار نہیں ہوں۔"

"اُوہ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ نجی طور پر...!"

"اور پھر اُسی دوران میں آپ کے مرض کا بھی علاج ہو جائے گا۔!"

"لیکن میں پروفیسر خلجی کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہتا۔"

"فکر نہ کیجیے سب کچھ میری نگرانی میں ہوگا۔ میں اُسے بہکنے نہیں دوں گا۔

ہاں... اب اُس اجنبی کے بارے میں مزید کچھ بتایئے جسے آپ نے نزارت کی تفریح گاہ میں دیکھا تھا۔"

"اُس کے بارے میں جو کچھ بھی جانتا تھا۔ آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"آپ کو یقین ہے کہ اس دوران میں بڑے پیمانے پر جو دھماکے ہوئے ہیں اس میں اسی کا ہاتھ ہے!"

"پھر اور کیا سمجھوں جب کہ اس کے دوسرے ہی دن سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا۔"

"یہ صاف ڈرامائی انداز ہے۔ شام کے دھندلکے میں وہ نزارت کی ایک اونچی چٹان پر کھڑا ہو کر شکوہ آباد کی روشنیوں پر نظر ڈالتا ہے اور مکالمے بولنا شروع کر دیتا ہے۔ کہیں اُس نے آپ کو دیکھ تو نہیں لیا تھا۔"

"خدا جانے... اوہ.. تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اُس نے مجھے سنانے کے لیے وہ بکواس کی تھی!"

"اتنی بیدردی سے اُسے بکواس نہ کہیئے جب کہ اُس میں کسی ستم رسیدہ بیوہ کا بھی ذکر تھا... لیکن اٹھارہ سال پہلے کی بات تھی! کیا اٹھارہ سال پہلے کے کسی واقعے کا حوالہ اُس تقریر کو زیادہ موثر بنا سکتا تھا۔"

"میں بھلا! اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں!"

"اٹھارہ سال پہلے تو ایس۔ پی شہباز بھی شکوہ آباد میں نہیں تھا۔ پھر وہ کون تھا جس نے اٹھارہ سال پہلے کسی بیوہ پر ستم ڈھایا تھا۔ آپ کی عمر تو وہیں گزری ہے کیا آپ کو اس سلسلے میں کچھ یاد پڑتا ہے۔"

"جی نہیں! میں نے اس پر بہت غور کیا ہے! لیکن مجھے ایسا کوئی واقعہ یاد نہیں آیا۔"

"خیر میں دیکھوں گا۔!"

"بہر حال... بہت بہت شکریہ کرنل صاحب! میرا مشن ناکام نہیں رہا۔"

"لیکن یہ بات ابھی تک صاف نہیں ہو سکی کہ آپ اُس گمنام آدمی کی شکایت لے کر آئے ہیں یا ایس۔ پی شہباز کی!"

"بنیادی طور پر ایس۔ پی شہباز ہی کی شکایت سمجھیے! کیونکہ اس نے میری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات نہیں سنی تھی۔ اور دھڑا دھڑ گرفتاریاں شروع کر دی تھیں۔"

"آپ کا خیال ہے کہ وہ گرفتاریاں نا جائز ہیں۔"

"جی ہاں! میں یہی سمجھتا ہوں۔ بلکہ شکوہ آباد کے زیادہ تر لوگ تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ ان دھماکوں میں خود شہباز ہی کا ہاتھ ہے ... کچھ مخصوص لوگوں کو حراساں کرنے کے لیے اُس نے یہ حرکت کی ہے۔"

"لیکن آپ کے ذہن میں وہی اجنبی ہے!"

"ایسے حالات ہیں اور کیا کہہ سکتا ہوں!"

"خیر جناب آپ سے بڑی مدد ملے گی۔"

"اب اجازت دیجیے۔" شیر افگن اُٹھتا ہوا بولا۔ پستہ قد اور دُبلا پتلا آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی چہرہ جھُریا یا ہوا اور زرد تھا۔ آنکھیں بھی دھنسی ہوئی تھیں۔

فریدی سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

یہ ایک نجی ملاقات تھی اور فریدی کی کوٹھی ہی میں ہوئی تھی۔ اُس کے رخصت ہو جانے کے بعد فریدی نے بجھا ہوا سگار دوبارہ سُلگایا اور اُسے ہونٹوں میں دبائے ہوئے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا "ابھی ابھی کوٹھی سے ایک ٹیکسی جس کا نمبر ایکس وائی، زیڈ تین ہزار چار سو ہے۔ نکلی ہے۔ اس کا تعاقب کرو۔"

پھر اُس نے شیر افگن کا حلیہ دہرا کر کہا "تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کہاں مقیم ہے اور کن لوگوں سے ملاقات کر رہا ہے!"

کال کا سلسلہ منقطع کر کے وہ ڈرائینگ روم سے باہر نکل گیا!

تیسری بار فون کی گھنٹی بجی تھی۔ اور حمید بھنّا کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ قاسم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے دو بار نظر انداز کر چکا تھا اگر وہی تھا تو پیچھا چھڑا لینا کارے دارد۔ تھک ہار کر تیسری بار ریسیور اُٹھانا ہی پڑا...

لیکن "ہیلو!" نسوانی آواز میں کہی...

"قون!" دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی اور پھر حمید نے تھوک نگلنے کی آواز بھی صاف سُنی!

"آپ کون ہیں۔!"

"آپ ... قق قہاں سے بول رہی ہیں!"

"قق قہاں ...!"

"اوہ معاف قیجیے غا... میرے حلق میں درد ہو رہا ہے!"

"تو علاج کیجیے ... فون کرنے کی کیا ضرورت ہے!"

"شش شاید۔ رانگ نمبر۔!" دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی اور یکلخت سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے ابھی ریسیور رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی اور حمید ریسیور اٹھا کر دہاڑا

"ابے کیوں بھیجہ چاٹ رہا ہے!"

"ہوش میں ہو یا نہیں!" دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ اور حمید کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"اوہ معاف کیجیے گا۔ قاسم بہت دیر سے پریشان کر رہا ہے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جس عالم میں بھی ہو۔ اُٹھ کر نیاگرا چلے آؤ۔!"

"بب... بہت بہتر۔!"

حمید نے گھڑی دیکھی رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔ بائیں ہاتھ سے سر سہلاتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ آرام کرنے کا موڈ تھا اور اس حد تک تھا کہ قاسم کے ساتھ متوقع تفریح سے بھی روگردانی کی تھی۔

سلیپنگ سوٹ اُتار کر طوعاً کرہاً باہر جانے کے لیے کپڑے پہنے! اور گیرج میں پہنچ کر اُس گاڑی کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا جس کی بیٹری ڈاؤن تھی۔

ملازموں نے کہا صاحب دوسری گاڑی نکال لیجئے! بس شامت آگئی سمجھوں کی۔ آپے سے باہر ہو کر بولا! "تم مجھ سے زیادہ قابل ہو... چلو دھکا لگاؤ!" اس طرح بمشکل تمام گاڑی اسٹارٹ ہوئی تھی!

خواہ مخواہ یہ حرکت کر گزرا تھا۔ جھلاہٹ بُری چیز ہے! عقل خبط ہو کر رہ جاتی ہے۔

اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا اس جھلاہٹ کے باوجود بھی تھا۔ یعنی لائٹ جل جانے کے بعد بیٹری کا رہا سہا دم بھی نکل گیا۔ اور گاڑی دو ڈھائی میل چلنے کے بعد بند ہو گئی اور جھٹکے لے کر بند ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ٹنکی میں پٹرول بھی نہیں تھا

اَب اپنی اس حماقت پر غصّہ آنے لگا تھا سڑکیں سنسنان ہوتی جا رہی تھیں اور سردی شباب پر تھی۔ گاڑی سے اُتر کر خواہ مخواہ بونٹ اُٹھایا اس طرح انجن پر جُھک پڑا جیسے کوئی سمجھ میں نہ آنے والی خرابی واقع ہو گئی ہو۔!

گاڑیاں گزرتی رہیں لیکن کسی نے گھاس بھی نہ ڈالی... جو حماقت کر بیٹھا تھا اُس کی بنا پر گھر بھی فون نہیں کر سکتا تھا۔ آخر اس سے یہ ڈیوٹ پن سر زد ہی کیوں ہوا۔ دل ہی دل میں سر پیٹتا رہا۔

دراصل جھلاہٹ کی وجہ کھڑے گھاٹ "طلبی" نہیں تھی بلکہ طلب کرنے کا انداز تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ کوئی واقعہ ہوا ہے۔ ایسا واقعہ کہ شاید وہ چھٹیاں بھی خطرے میں پڑ جائیں جو پانچ دن بعد سے شروع ہونے والی تھیں۔

کچھ دیر بعد ایک خالی ٹیکسی نظر آئی۔ ہاتھ اُٹھا کر اُسے رُکوایا اور ڈرائیور سے بولا۔ "اگر مجھے اِس وقت نیاگرہ پہنچا دو تو یہ گاڑی تمہاری!"

"ارے صاحب... نیاگرا..." اس نے دانت نکال دیئے۔

"ہاں! میں غلط نہیں کہہ رہا۔ ابھی ابھی ٹرانسفر لیٹر دے سکتا ہوں!"

اُس نے پھر دانت نکال دیئے اور بولا! "میں دیکھوں...!"

"کوئی فائدہ نہیں! مجھے دیر ہو رہی ہے!"

"گاڑی رکھنے کا وقت ہو گیا ہے صاحب اور نیاگرہ سے خالی واپس آنا پڑے گا! وہاں سب اپنی گاڑیوں سے جاتے ہیں۔"

"میٹر سے تین گنا زیادہ کرائے کے بارے میں کیا خیال ہے!"

"اگر ایسی بات ہے تو سر کے بَل چلیں گے صاحب!"

حمید نے گاڑی لاک کی اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا... جان میں جان آئی۔ اور اُس نے کہا۔

"جتنا تیز چل سکتے ہو چلو۔!"

"لیکن صاحب ویٹنگ نہیں کروں گا...!"

"کون کہتا ہے؟"

"نہیں صاحب! میں نے کہا پہلے ہی بتا دوں۔ ابھی ابھی ایک بیگم صاحبہ چوٹ دے چکی ہیں۔ ہسپتال گئی تھیں اپنے کسی عزیز کو دیکھنے وہاں پہنچیں تو گڑگڑانے لگیں کہ بھیا بس پندرہ منٹ کی ویٹنگ کر لو یہاں سے مجھے واپسی کے لیے سواری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں ملے گی۔ آگیا ان کی جھاڑ لی۔ پورے سوا گھنٹے بعد واپس آئیں۔ کہنے لگیں تمہارا نقصان پورا کردوں گی۔ شرافت آڑے آئی خاموشی سے لاکر گھر چھوڑا... میٹر نے ویٹنگ سمیت چودہ روپے پچاس پیسے بنائے تھے۔ دہاڑنے لگیں کہ میٹر غلط چل رہا ہے۔ تم نے اُسے ایڈوانس کر رکھا ہے دس روپے سے زیادہ نہیں بن سکتے۔ اتنے میں گھر کے اندر سے ایک باوردی تھانے دار صاحب نکل آئے۔ چپ چاپ دس روپے لیے اور بھاگ کھڑا ہوا۔"

"یار تم لوگ بھی تو ٹھگتے رہتے ہو بیچاریوں کو... میٹر سے دو روپے زیادہ لیں گے جناب...!"

"پھر اور کیسے ٹھگیں جناب۔! انہی سے خود بھی ٹھگے جاتے ہیں۔ پیسوں کا تو حساب ہی نہیں کرتیں۔ چار روپے پچھتر پیسے بنے۔ واپسی کے لیے چونی نہیں ہے میرے پاس۔ بس ہضم کر گئیں پچھتر پیسے۔ پرسوں کا واقعہ سنیئے۔ دو بی بیاں گاڑی میں بیٹھیں کہنے لگیں فلاں جگہ ہمارا مکان بن رہا ہے۔ بس مستریوں کو کچھ ہدایت دیں گی اور واپسی ہو جائے گی۔ مکان میں داخل ہوئیں۔ واقعی بن رہا تھا۔ مزدور کام کر رہے تھے۔ دس پندرہ منٹ گزر جانے کے بعد میں نے ہارن بجانا شروع کیا۔ باہر نہ آئیں تو خود اُتر کر اندر گیا لیکن اُن بی بیوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ مزدوروں نے بتایا کہ وہ ان کے لیے اجنبی تھیں۔ کسی کا پتا پوچھا تھا اور دوسری طرف سے باہر نکل گئی تھیں دوڑ کر اُدھر پہنچا لیکن کس گھر کا دروازہ بجاتا..."

حمید ہنس پڑا۔

"مجھے بھی ہنسی ہی آئی تھی۔" ٹیکسی ڈرائیور بولا۔

"اگر پھر کبھی ملاقات ہوگئی تو۔!"

"میری کون سنے گا جناب! عورتوں کا معاملہ ہے!"

"یہ بھی ٹھیک ہے! اس دن اندازاً کتنے کی چوٹ ہوئی تھی!"

"چھ روپے چالیس پیسے کی!"

"وہ بھی میں ہی ادا کردوں گا!"

"اب تو آپ سے بھی خوف معلوم ہونے لگا ہے جناب!"

"جب تک پائی پائی ادا نہ کردوں گاڑی سے اُترنے نہ دینا!"

بہرحال اسی طرح کی بکواس کر کے اپنا بگڑا ہوا موڈ ٹھیک کرتا چلا گیا اور نیاگرہ پہنچ کر حسبِ وعدہ پورا حساب بیباق کر دیا۔

"اگر گھنٹے آدھ گھنٹے کی بات ہو تو ویٹ کروں جناب!" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

"نہیں دوست! یہ رات شاید یہیں گزر جائے!"

"یہ... یہ پولیس کی گاڑیاں کیوں کھڑی ہوئی ہیں!" ٹیکسی ڈرائیور چونک کر بولا۔

لیکن حمید اُترا چلا گیا! موڈ پھر خراب ہونے لگا تھا۔

اندر سارجنٹ امر سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ فریدی کا کہیں پتا نہ تھا۔

"چھٹی کھٹائی میں ضرور پڑے گی!" امر سنگھ نے رازدارانہ لہجے میں کہا!

"ہوا کیا!" حمید پھاڑ کھانے دوڑا۔

"قتل کے علاوہ اور کیا ہوتا۔!"

"کرنل کہاں ہیں۔"

"پتا نہیں کچھ دیر پہلے تو یہیں تھے!"

"کس کا قتل ہوا ہے۔"

"ہوٹل کے رجسٹر میں شیر افگن نام لکھا ہوا ہے۔ شکوہ آباد سے آیا تھا۔"

"لیکن یہ ایکدم کرنل کہاں آکودے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا! لیکن معاملہ عجیب ہے اس سے پہلے ایسا قتل نہ دیکھا نہ سُنا... قاتل اُس بیچارے کی گردن ریت کر بھاگا۔ لوگوں نے دوڑایا۔ لیکن وہ زینے طے کرتا ہوا آخری منزل یعنی کھُلی چھت پر پہنچ گیا اور وہاں سے چھلانگ لگادی!"

"ہڈیاں سُرمہ ہوگئی ہوں گی!"

"جی نہیں! سرمے کی مدد سے بھی نہیں تلاش کی جاسکیں"

"کیا مطلب..."

"قاتل فرار ہوگیا!"

"اُوپری منزل سے چھلانگ لگاکر فرار ہوگیا۔ بھنگ تو نہیں پی گئے!"

"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے اپنی پشت پر ایک چھوٹا سا پیراشوٹ باندھ رکھا تھا۔ چھلانگ لگاتے ہی وہ کھُل گیا۔ لوگ باہر دوڑے تو اُس نے ایک ہینڈ گرنیڈ کھینچ مارا ...بس دھماکا ہوتے ہی سب اندر... اور وہ زمین پر پہنچ کر نہایت اطمینان سے ایک اسپورٹس کار میں فرار ہوگیا!"

"خدا کی پناہ...!" حمید سر سہلا کر بولا! "واقعی چھٹیوں کا چالیسواں ہوگیا!"

"خیریت ہوئی کہ ہینڈ گرنیڈ کے دھماکے سے کوئی زخمی نہیں ہوا..."

"اور اَب جناب کرنل صاحب اُس اسپورٹس کار کے چکر میں ہوں گے!"

امر سنگھ کچھ نہ بولا۔ حمید نے لاش دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ امر سنگھ کے بیان کے مطابق قتل پانچویں منزل پر ہوا تھا اور قاتل چار منزلوں کی سیڑھیاں طے کر کھُلی چھت پر پہنچا تھا۔ درمیان میں اُسے کوئی بھی نہ روک سکا۔

"اگر وہ شکوہ آباد سے آیا تھا تو وہیں کیوں نہ قتل کر دیا گیا!" حمید نے امر سنگھ کو گھورتے ہوئے فریدی کے لہجے کی نقل اُتاری۔

"کیا لاش نہیں دیکھنی۔!" امر سنگھ نے مُسکرا کر پوچھا!

"نہیں! لیکن وہ جگہ ضرور دیکھنا چاہتا ہوں جہاں سے وہ چھلانگ لگا کر فرار ہوا تھا!"

"تو آیئے۔ میرے ساتھ...!"

وہ دونوں چلتے چلتے ایک جگہ رُک گئے اور حمید نے پلٹ کر ہوٹل کی عمارت کی طرف دیکھا!...

"وہ یہیں اُترا تھا!" امر سنگھ بولا۔

"عمارت سے قریباً دو سو گز کا فاصلہ ضرور ہوگا!..." حمید نے کہا "تو پھر اُسے چھلانگ نہیں بلکہ اُڑان کہنا چاہیئے...!"

"اسی پر تو حیرت ہے! دیوار کے قریب پیراشوٹ کے بیکار ہو جانے کا امکان تھا۔ لہٰذا اتنی لمبی چھلانگ لگانی ہی پڑی ہوگی کہ پیراشوٹ کے کھُلنے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔!"

"کیا وہ خاموشی سے قتل کر کے فرار نہیں ہو سکتا تھا! پیراشوٹ ساتھ رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ اُسے یہ کرتب ہر حال میں دکھانا ہی تھا...؟"

"یہ کام کا نکتہ ہے...!" امر سنگھ سر ہلا کر بولا۔

"کیا وہ میرے لیے کچھ کہہ گئے ہیں!"

"نہیں... مجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔"

"لاش والے کمرے میں کون ہے!"

"فنگر پرنٹ سیکشن کام کر رہا ہے!"

حمید نے ٹارچ امر سنگھ کے ہاتھ سے لے لی۔ اور اُس کی روشنی میں آس پاس کا جائزہ لینے لگا! دستی بم کا ڈالا ہوا گڑھا بھی عمارت سے کچھ ہٹ کر ہی نظر آیا۔!

"دھماکہ محض دہشت زدہ کرنے کے لیے تھا۔" اُس نے کہا۔

"اس کے بغیر تو اُس کا فرار ناممکن ہی ہو جاتا۔" امر سنگھ بولا۔ "لیکن جناب حیرت اس پر ہے کہ اُس بے وقعت سے آدمی کے قتل کے لیے اتنا ہنگامہ!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بے وقعت سے کیا مراد ہے تمہاری!"

"آپ خود چل کر دیکھ لیجئے! زندہ دیکھتے تو ترس آتا۔ لاش پر آنسو بہانے کو جی چاہے گا۔"

"بکواس بند کرو۔ بیوی بچوں میں بیٹھ کر ایسی باتیں کی جاتی ہیں!"

"میرا مطلب تھا کہ اس ہنگامے کی کیا ضرورت تھی۔ راہ چلتے ایک زوردار گھونسہ پسلی پر رسید کر دیا جاتا تو وہ دوسری سانس نہ لے سکتا!"

حمید کچھ کہے بغیر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ پانچویں منزل پر واردات والے کمرے تک پہنچنے کے لیے کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اُس کے سامنے ایک باوردی کانسٹیبل موجود تھا۔ حمید نے لاش دیکھی اور امر سنگھ کے قول کی صداقت اُس پر واضح ہوگئی۔ واقعی اُس منحنی سے آدمی کے قتل کے لیے اتنے ڈرامائی انداز کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو سچ مچ ایک ہی گھونسے کا معلوم ہوتا تھا۔ کسی تیز دھار آلے سے اُس کی گردن کاٹی گئی تھی۔ حمید اسی اُلجھن میں پڑا ہوا تھا کہ آخر یہ معاملہ براہ راست فریدی تک کیسے پہنچ گیا۔

وہ کمرے سے پلٹنے ہی والا تھا کہ راہداری سے کسی نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا۔ یہ اسسٹنٹ مینجر تھا اور اُسے اطلاع دینے آیا تھا کہ فون پر اُس کی کال ہے۔

وہ تیزی سے فون تک پہنچا اور دوسری طرف سے فریدی کی آواز سُنی جو پاور ہاؤز کے قریب اُس کا منتظر تھا۔

"کیسے پہنچوں!" حمید ماؤتھ پیس میں بولا "! گاڑی تو راستے ہی میں رہ گئی!"

"کیا مطلب۔!"

"غلطی سے وہ گاڑی نکال لی تھی جس کی ٹنکی میں پٹرول کم تھا!"

"احمق ہوا امر سنگھ کی موٹر سائیکل لے لو۔ وہ فنگر پرنٹ والوں کے ساتھ واپس چلا جائے گا۔!"

"لیکن یہ چھلانگ میری سمجھ میں نہیں آئی... میرا مطلب ہے کیس کی چھلانگ!" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی...

امر سنگھ کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا! اپنی موٹر سائیکل اُس کے حوالے کر دی اور پھر جو سردی نے مزاج پوچھا ہے حمید صاحب کا تو آنکھوں اور ناک کی رطوبتوں میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا!... پتہ نہیں کس طرح منزل مقصود پر پہنچا تھا۔

ٹھیک فریدی کی لنکن کے قریب جا رُکا۔

"تم آگئے..." فریدی کے لہجے میں کسی قدر تلخی تھی۔ آواز گاڑی کے اندر سے آئی تھی۔

"اور میرا نام دائمی نزلہ ہے!" حمید شوں شوں کرتا ہوا بولا۔

فریدی دروازہ کھول کر گاڑی سے اُترا اور سڑک کی بائیں جانب چلتا ہوا بولا۔

"ادھر آؤ..."

حمید نے خاموشی سے تعمیل کی... فریدی سڑک سے نیچے اُتر گیا تھا اور ٹارچ روشن کر لی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک اسپورٹس کار پر پڑا اور حمید نے فوراً ہی یہ بات مارک کی کہ اُس پر نمبر پلیٹ موجود نہیں ہے...!

"انجن ابھی گرم ہے!" فریدی نے کہا! "اور دیکھو... یہاں سے کسی اور گاڑی کے ٹائروں کے نشانات سڑک کی طرف گئے ہیں!"

"یہ تو آپ خود بھی دیکھ کر اس کا مطلب سمجھ سکتے تھے!... مجھے کیوں خواہ مخواہ نزلے میں مبتلا کیا!"

"تم اسپورٹس کاروں کے خبط میں بھی تو مبتلا ہو۔ اُس دن دعویٰ کر رہے تھے کہ اس سال کے موڈل شہر میں کس کس کے پاس ہیں تمہارے علاوہ شاید ہی کوئی بتا سکے!"

"اوہ۔ ذرا ٹارچ مجھے دیجیئے... ٹرائٹن کا نیا ماڈل... نمبر پلیٹیں غائب...

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاٹسن کی اسپورٹس کار... گڈلارڈ... یہ گاڑی صوفیہ کی ہو سکتی ہے یا سلمان کی...! یا پھر خواجہ بخش کی۔"

"یہ سب کون ہیں۔!"

"صوفیہ سیٹھ راشد کی لڑکی ہے! سلمان ایک صوبائی وزیر کا لڑکا ہے... اور خواجہ بخش وہی ہے جس کی لانچیں پچھلے دنوں اسمگلنگ کے سلسلے میں پکڑی گئی تھیں!"

"گاڑی کا انجن نمبر نوٹ کرو۔ اور ان تینوں کو چیک کرو۔!"

"لیکن یہ احمق نمبر پلیٹ کیوں نکال لے گیا! کیا اس کے بغیر گاڑی کے مالک کا پتا نہ لگ سکتا۔"

"دیر لگے گی۔ اگر تم یہ تین نام نہ لیتے تو محض انجن نمبر کی بنا پر پتا لگانے میں خاصا وقت صرف ہوتا۔!"

"بہرحال کوئی یہاں پہلے سے اس کا منتظر تھا! اسپورٹ کار یہیں چھوڑی اور اسے دوسری گاڑی میں نکال لے گیا... لیکن یہ تو بتایئے کہ یہ کیس براہ راست آپ تک کیسے پہنچ گیا!"

"پھر بتاؤں گا۔ وقت نہ ضائع کرو... ان تینوں کو فوراً چیک کرو۔!"

"تو پھر موٹر سائیکل...!" حمید کراہا۔

"گاڑی لے جاؤ۔ موٹر سائیکل میرے لیے چھوڑ دو!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"تکلفاً بھی انکار نہیں کروں گا... ورنہ میری ناک...!"

"جلدی کرو۔!" فریدی اسے سڑک کی جانب دھکیلتا ہوا بولا "مجھے یہاں اس وقت تک ٹھہرنا ہے جب تک اس گاڑی کی نگرانی کے لیے کوئی نہ پہنچ جائے!"

"سیٹھ راشد کی بیٹی سے ابتدا کرتا ہوں کہ یہاں سے قریب ترین وہی ہے!" حمید نے کہا اور لنکن میں آ بیٹھا۔

کچھ دور اسی سڑک پر چلنے کے بعد گاڑی بائیں جانب کچے میں اتار دی۔ سیٹھ راشد کی کوٹھی تک پہنچنے کے لیے شارٹ کٹ لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بڑی بڑی کوٹھیوں والے اس علاقے میں داخل ہوا جہاں زیادہ تر شہر کے بڑے تاجر آباد تھے۔

سیٹھ راشد کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں پولیس کی ایک پیٹرول کار کھڑی دیکھ کر حمید کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔!

تو گویا یہاں پہلے ہی سے کوئی چکر چل رہا ہے۔ اس نے پیٹرول کار ہی کے قریب لنکن روکی اور پیٹرول کار کا باوردی ڈرائیور چونک کر اسے گھورنے لگا۔

"کیا قصہ ہے!" حمید نے اس سے پوچھا!

"کیسا قصہ! آپ کون صاحب ہیں جناب۔"

"میں نے تم سے سوال کیا ہے اس کا جواب چاہتا ہوں... کون ہے اس پیٹرول کار پر۔!"

"ڈی۔ ایس۔ پی صاحب ہیں... اندر گئے ہیں!"

حمید نے گاڑی آگے بڑھائی اور پورچ کی طرف لیتا چلا گیا۔ اتنے میں۔ ڈی ایس۔ پی مذکور بھی شاید واپسی کے لیے باہر نکلا تھا... حمید کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر پورچ کے زینوں ہی پر رک گیا۔

"آپ...!" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کو حیرت ہوئی ہے...!"

"میرا خیال ہے کہ یہ بات میری ذات سے آگے نہیں بڑھی تھی!"

"کونسی بات؟" حمید نے سوال کیا۔

"سیٹھ صاحب کی بیٹی کو جو واقعہ پیش آیا تھا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اوہ ۔۔۔ تو پھر کوئی اور بات ہوگی ۔۔۔ کس کی بیٹی کو کیا واقعہ پیش آیا ۔"

"مس صوفیہ سے آٹھ بجے کے قریب کسی نے اُن کی اسپورٹس کار چھین لی اور سر پر گھونسہ مار کر بیہوش کر دیا ۔!"

"اُوہ ۔ لیکن کہاں ۔۔۔"

"وہ نیاگرا جا رہی تھیں ۔ سیاہ رنگ کی ایک بڑی گاڑی نے راستہ روک رکھا تھا ۔۔۔ انہیں بھی رُکنا پڑا ۔ سیاہ گاڑی سے ایک آدمی اُترا انہیں ان کی گاڑی سے باہر کھینچ لیا ۔ پھر سر پر گھونسہ پڑنے کے بعد کے واقعات کا علم انہیں نہیں ۔"

"آپ تک رپورٹ کیسے پہنچی ۔!" حمید نے پوچھا ۔ اور ڈی ۔ ایس ۔ پی کی آنکھوں میں اُلجھن کے آثار دکھائی دیئے ۔

"کیا آپ کا یہ سوال کسی اہمیت کا حامل ہے ۔!"

"بالکل ! وہ چھینی ہوئی اسپورٹس کار ایک قتل میں ملوث ہو گئی ہے ۔ کیا آپ کو نیاگرہ والے قتل کی اطلاع نہیں ملی ۔"

"نہیں میں نہیں جانتا !۔۔ مس صوفیہ نے اس واقعے کی اطلاع قریباً نو بجے فون پر دی تھی ۔۔۔"

"کیا وہ اندر موجود ہے !"

"جی ہاں !"

"فی الحال واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیجیے ۔ میرے ساتھ آیئے ۔ اسپورٹس کار مل گئی ہے اور میں اسی کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں ۔"

"آپ لوگ واقعی حیرت انگیز ہیں !"

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے اس کے ساتھ ڈرائینگ روم میں آیا ۔ صوفیہ ابھی تک یہیں موجود تھی ۔ سیٹھ راشد بھی تھا ۔ حمید صوفیہ کے لیے اجنبی نہیں تھا ۔ شہر کی کسی بھی

ایڈونچر پسند لڑکی کے لیے اجنبی نہیں تھا ۔

"اوہ ہیلو کیپٹن ۔" صوفیہ اُچھل کر اُٹھی اور اُس سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی "تو بات اس حد تک بڑھی ہے !"

"خوفناک حد تک بڑھی ہے ! ذرا دیکھیے یہ نمبر آپ ہی کی گاڑی کے انجن کا تو نہیں" حمید نے کاغذ کا ایک پرزہ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ۔

"انجن نمبر ۔۔۔" صوفیہ نے حیرت سے کہا "ارے جناب رجسٹریشن نمبر پوچھیے !"

"نمبر پلیٹیں گاڑی سے نکال لی گئی ہیں !"

"تو کیا گاڑی مل گئی ۔۔۔!" سیٹھ راشد نے پوچھا !

"جی ہاں ۔۔۔!"

اتنے میں صوفیہ بولی "غالباً یہ نمبر میری ہی گاڑی کے انجن کا ہے ۔ رجسٹریشن کی کتاب گاڑی ہی میں تھی !۔۔۔ اس پر انجن نمبر بھی تحریر ہے ۔"

"محترمہ جو نمبر پلیٹیں نکال لے گیا اُس نے رجسٹریشن بک کب چھوڑی ہوگی ۔ بہر حال آپ کی گاڑی ایک قتل میں ملوث ہو گئی ہے !"

"نہیں ۔!" سیٹھ راشد اُچھل پڑا ۔

"جی ۔۔۔" حمید نے کہا اور بڑے ڈرامائی انداز میں نیاگرہ والے قتل کی روداد دُہرانے لگا !

سیٹھ راشد اور صوفیہ کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں ۔

"گاڑی کہاں ہے !" ڈی ۔ ایس ۔ پی نے حمید کے خاموش ہوتے ہی سوال کیا !

"پاور ہاؤز کے عقب میں ۔ کرنل صاحب کے زیر نگرانی ۔۔۔ وہ گاڑی میری کئی بار کی دیکھی ہوئی تھی اس لیے سیدھا یہیں چلا آیا ۔"

"میں نے ایک بار آپ کو اُسی میں لفٹ بھی تو دی تھی !" صوفیہ بولی ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں مجھے یاد ہے اور اب ذرا اُس آدمی کا حُلیہ بیان کیجیے جس نے آپ پر حملہ کیا تھا!"

"حُلیہ ۔! بہت مشکل ہے۔ وہاں اندھیرا تھا اور میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکی تھی۔"

"آپ کو ہوش کیسے آیا تھا اور واپسی کس طرح ہوئی تھی۔"

"خود بخود ہوش میں آئی تھی۔ سڑک کے کنارے پڑی ہوئی تھی۔ ہوش آتے ہی خوف کے مارے دم نکلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد نیاگرہ کی طرف سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی تھی۔ بس لفٹ لے کر گھر آگئی۔ اور گھر ہی سے مقصود صاحب کو فون کیا تھا۔"

ڈی ایس۔ پی سر ہلا کر رہ گیا۔

"جس سے لفٹ لی تھی۔ وہ کون تھا!"

"نہ اُس بیچارے نے مجھ سے میرا شجرۂ نسب پوچھا اور نہ میں نے اُس سے اس کا!"

"لیکن نیاگرہ والی سڑک پر آپ کو تنہا دیکھ کر اُسے حیرت تو ہوئی ہوگی۔ کیا آپ نے اُسے اپنی کہانی سُنا دی تھی!"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سوال کی کیا اہمیت ہے!" سیٹھ راشد نے دخل اندازی کی۔

"میں ایک قتل کی تفتیش کر رہا ہوں اور صوفیہ صاحبہ کسی نہ کسی طرح ۔۔۔!"

"قتل کے سلسلے میں اُس کا نام مت لیجیے۔" راشد صاحب بات کاٹ کر بولا۔

"قاتل نے فرار کے لیے جو گاڑی استعمال کی وہ صوفیہ صاحبہ کی تھی۔!"

"آپ اس کا بیان سُن چکے ہیں!"

"محترم! بات نہ بڑھایئے۔!"

"آپ اس قسم کے سوالات کر رہے ہیں جیسے آپ کو اُس کے بیان پر یقین نہ ہو!"

"یہ سوالات اِسی کوشش پر مبنی ہیں کہ ان کے بیان پر یقین کر لوں ۔۔۔ ورنہ قانون کسی بیان کی صداقت کے لیے شاہد بھی طلب کرتا ہے!"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر کوئی اس کے بیان کی تائید نہ کر سکا تو آپ اِسے مشتبہ سمجھیں گے۔!"

"ڈیڈی پلیز۔" صوفیہ ہاتھ اُٹھا کر بولی "بات نہ بڑھایئے۔ میں کیپٹن کا نکتۂ نظر سمجھ رہی ہوں۔ لیکن میں اس معاملے میں بے بس ہوں! اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ محض رہزنی نہیں تھی تو میں لفٹ دینے والے کا نام اور پتہ ضرور نوٹ کر لیتی۔"

"حُلیہ بتایئے شاید اسی طرح کچھ کام چل جائے۔ اُس کی گاڑی کا میک اور موڈل بھی یاد ہو تو بتایئے۔!"

"اَدھیڑ عمر کے ایک سنجیدہ سے آدمی تھے! چہرہ بیضاوی۔ رنگت صاف۔ گھنی مونچھیں، پیشانی کشادہ ۔۔۔ گاڑی غالباً مزدا ففٹین ہنڈریڈ تھی۔ موڈل تہتر چوہتر کا ہوگا۔"

حمید کا قلم نوٹ بک کے صفحے پر چلتا رہا۔

"کیا میری موجودگی ضروری ہے!" ڈی ایس۔ پی نے حمید سے پوچھا۔

"آپ کی مرضی پر منحصر ہے!"

"تو پھر میں چلوں۔!" اُس نے کہا اور ڈرائینگ روم سے نکل گیا۔

"آپ کچھ پئیں گے کیپٹن!" صوفیہ نے پوچھا!

"کافی پلوا دیجیے۔ بلیک۔!"

"میں ابھی آئی ۔۔۔!" کہتی ہوئی وہ بھی چلی گئی اور حمید نے سیٹھ راشد سے کہا۔

"مس صوفیہ میرے لیے اجنبی نہیں ہیں اور میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ عدالت میں وکیل سرکار انہیں کم سے کم پریشان کر سکے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے اپنے رویئے پر افسوس ہے۔! دراصل اچانک ایسی خبر سن کر...!"

"میں سمجھتا ہوں۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں... لفٹ دینے والے کو ڈھونڈھ نکالوں گا اور یہ مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔"

صوفیہ واپس آگئی اُس کے چہرے کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"کسی طرح بھی سہی آپ نے میرے گھر میں قدم تو رکھا۔!" اس نے حمید سے کہا۔

"بہت پہلے آچکا ہوتا لیکن ہمارا کہیں قدم رکھنا بدشگونی ہی تصور کیا جاتا ہے!"

"چھوڑیئے بھی۔ کیا آپ لوگوں کی کوئی سوشل لائف ہی نہیں"

"میری تو سوشل لائف کے علاوہ اور کوئی لائف ہی نہیں!"

"میں بہت تھکا ہوا ہوں!" سیٹھ راشد اُٹھتا ہوا بولا۔

"آپ آرام کیجئے ڈیڈی!" صوفیہ نے ہنس کر کہا "کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ میں اس قتل میں ملوّث نہیں ہوں!"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!" حمید بولا۔

سیٹھ راشد چلا گیا اور اتنے میں ایک ملازم کافی کی ٹرالی سمیت ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔

"فرار کا ایسا طریقہ نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا!" صوفیہ بولی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ خود ہی اپنے لیے کافی اُنڈیلنے لگا تھا۔ دوسری پیالی صوفیہ کی طرف سرکا دی۔

"تو آپ لفٹ دینے والے کو تلاش کریں گے!" صوفیہ نے پوچھا!

"آپ کو شبہے سے بالاتر کر دینے کے لیے یہ ضروری ہوگا۔"

"مجھ پر کس قسم کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔!"

"اعانت جُرم کا۔ فرار کے لیے آپ ہی نے اپنی گاڑی مہیا کی تھی۔!"

"بڑا مضحکہ خیز خیال ہے...!"

"ہے تو۔ لیکن حالات... آخر نمبر پلیٹیں کیوں نکالی گئیں۔!"

"میں کیا بتاؤں؟"

"یہ سوال آپ سے نہیں تھا؟" میں خود سوچ رہا ہوں! اگر وہ محض رہزنی تھی تو رہزن کو نمبر پلیٹیں نکالنے سے کیا فائدہ پہنچا!"

"ہاں ہے تو اُلجھاوے کی بات۔!"

"میں نے یہ نکتہ سیٹھ صاحب کی موجودگی میں اس لیے نہیں اٹھایا تھا کہ وہ اور زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔"

"آپ نے اچھا کیا... لیکن یقین کریں کہ اس قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں اور نہ مقتول کی بھی شناخت ہوئی یا نہیں۔"

"نیاگرہ کے رجسٹر میں اُس نے اپنا نام شبیر افگن لکھوایا تھا۔ سکونت کے خانے میں شکوہ آباد درج تھا!"

"نہیں!" صوفیہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

"کیوں؟" حمید اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا!

"کیا دُبلے پتلے اور پستہ قد تھے۔"

"آپ بالکل صحیح حلیہ بیان کر رہی ہیں...!"

"ڈیڈی!" دفعتہً وہ حلق پھاڑ کر چیخی اور گرتی پڑتی بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی! کافی پاٹ ٹرالی سے اُچھل کر قالین پر جا پڑا تھا۔ حمید ہکا بکا بیٹھا رہ گیا! اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیے۔ قتل سے اِن لوگوں کا تعلق رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن شاید مقتول سے کوئی تعلق ضرور تھا۔ ورنہ وہ اس طرح بدحواس نہ ہوتی۔ اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے اُٹھ کر قالین پر پڑا ہوا کافی پاٹ اُٹھایا اور کافی کے اُس تاریک دُھبے کو دیکھنے لگا جس نے ایک بیش قیمت قالین کا ستیاناس کر دیا تھا۔

تو وہ سیٹھ راشد کا سوتیلا بھائی تھا!" کرنل فریدی نے ٹہلتے ٹہلتے رُک کر کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ پوری روداد پہلے ہی سُنا چکا تھا۔

"لیکن نمبر پلیٹوں کا معاملہ!" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اس انکشاف کے بعد سے یہ الجھن بھی رفع ہو گئی ہے۔" حمید نے کہا۔ "صاف ظاہر ہے کہ کوئی اس قتل کو سیٹھ راشد کے سر تھوپنا چاہتا ہے۔ ورنہ نمبر پلیٹ کیوں نکال لے جاتا۔"

"بظاہر الجھن رفع کر دینے ہی والی بات ہے!"

"لیکن بباطن؟" حمید نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ فی الحال اس سلسلے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

"میں رات ہی سے پوچھ رہا ہوں کہ آخر یہ معاملہ براہ راست آپ تک کیسے پہنچ گیا!"

"معاملہ نہیں پہنچا بلکہ معاملے تک خود مجھے پہنچنا پڑا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا!"

"شیر افگن صرف مجھ سے ملنے یہاں آیا تھا اور میں اس کی نگرانی کرا رہا تھا۔ اس طرح بات فوراً مجھ تک پہنچ گئی۔ نگرانی کرنے والا اس وقت نیاگرہ ہی میں موجود تھا جب یہ قتل ہوا۔"

حمید نے تیزی سے کھوپڑی سہلائی اور چھٹیوں کے جنازے پر پھول چڑھا دیئے۔

"ویسے بھی میں یہ چھٹیاں شکوہ آباد میں گذارتا!" فریدی بولا۔

"کک ۔ کیوں ...!"

"ایسی ہی کوئی بات تھی۔ اور تم نادانستگی میں شمال کی تفریح گاہوں کا ذکر کر کے خوش ہو لیا کرتے تھے۔ شکوہ آباد بھی اُنہی تفریح گاہوں میں سے ایک ہے۔!"

"یعنی چھٹیوں میں بھی آپ کو وہاں کوئی کام کرنا تھا!"

"ظاہر ہے۔!"

"آئی سی۔ پی شہباز کا کوئی معاملہ ہے!"

"اس کے علاوہ وہاں اور کیا رکھا ہے!" فریدی نے کہا اور شیر افگن سے اپنی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔

حمید نے اس کے خاموش ہونے پر کئی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لی تھیں اور اپنی نبض ٹٹولنے لگا تھا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے؟" فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا!

"مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہے لیکن وہ بے موت مارا جائے گا!"

"کون؟"

"قاسم۔!"

"کیا مطلب۔!"

"وہ ایک ہوٹل میں ہپی بنا بیٹھا ہے۔ گھر سے نکالا گیا ہے! میں نے کہا تھا اُسے ہپی بنا کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا... اس طرح وہ ہپی عورتوں سے متعلق بھی اپنی معلومات میں اضافہ کر سکے گا!"

"اُوہ۔ بڑی عمدہ بات سُجھائی تم نے!" فریدی نے کہا اور بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔ حمید اُسے حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔ آخر اس میں خوشی کی کیا بات تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلسلے میں بھی اسے سخت سُست سُننا پڑے گا!

سگار سلگا کر اُس نے کہا۔ "تم بھی ہپّی بنو گے۔!"

"میں" حمید اُچھل پڑا۔

"ہپّی عورتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خواہش تمہیں بھی ہو گی!"

"کیوں مذاق کر رہے ہیں!"

"نہیں۔ میں سیریس ہوں... تم دونوں سرحد پار جاؤ گے اور وہاں ہپیوں کے کسی ایسے قافلے سے جا ملو گے جو غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے اِدھر آنا چاہتا ہو..."

"اس سے کیا ہو گا۔"

"بس اپنی آنکھیں کھُلی رکھنا... میں شہباز کو کئی اطراف سے گھیرنا چاہتا ہوں!"

"تو کیا اس قتل میں شہباز کا ہاتھ ہو سکتا ہے!"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا! لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اگر خود اُسے اپنی زندگی خطرے میں نظر آتی تو اس کا ذکر مجھ سے ضرور کرتا۔"

"کھُلی ہوئی بات ہے۔!"

"یہ قتل میرے لیے چیلنج بھی ہو سکتا ہے۔!"

"میں سمجھ گیا۔ آپ اس قتل کے توسط سے باضابطہ طور پر شکوہ آباد جا سکیں گے!"

"ضروری نہیں ہے۔ اُوپر والے کسی اور کے سپرد بھی کر سکتے ہیں کیس۔"

"لیکن آپ اسی پر اَڑ جائیں گے کہ آپ ہی جائیں گے!"

"وہ میرے پاس آیا تھا اور کسی بڑے جُرم کی نشاندہی کرنا چاہتا تھا۔ خیر... میرے ساتھ آؤ۔!" فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "ذرا سیٹھ راشد سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں۔"

دن کے دس بجے تھے۔ سیٹھ راشد گھر ہی پر موجود تھا۔ صوفیہ سے ملاقات ہوئی اور

اُس نے بتایا کہ اُس انکشاف کے بعد سیٹھ راشد پر دل کا دورہ پڑا تھا۔ ساری رات گھر والوں نے جاگ کر گذاری۔

"اب کیا کیفیت ہے!" فریدی نے پوچھا!

"سو رہے ہیں۔ آپ اُنہیں فی الحال نہ چھیڑیں تو بہتر ہو گا میں آپ کے سوالات کے جواب دے سکوں گی۔"

"بات دراصل یہ ہے مس صوفیہ کہ شیر افگن صاحب صرف مجھ سے ملاقات کی غرض سے یہاں آئے تھے۔!"

"آپ سے!" صوفیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں۔ اور اُنہوں نے قطعی اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ شہر میں ان کا کوئی رشتہ دار بھی ہے!"

"بڑی عجیب بات ہے کہ آپ سے ملنے آئے اور قتل کر دیئے گئے...! بہر حال یہ کھُلی ہوئی حقیقت ہے کہ ڈیڈی سے اُن کے تعلقات بہتر نہیں تھے۔ ورنہ وہ نیاگرہ کی بجائے یہیں قیام کرتے۔ ہمیں شہر میں ان کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔"

"اور اس قتل کے سلسلے میں آپ کی گاڑی اس طرح استعمال کی گئی!"

"آپ خود ہی غور فرمایئے!" صوفیہ طویل سانس لے کر بولی "یہ قتل ہمارے سر منڈھنے کی کوشش کی گئی ہے ورنہ بقول حمید صاحب ایک لاتعلق رہزن کو نمبر پلیٹ نکال لے جانے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ صوفیہ نے تھوڑی دیر بعد کہا "چچا شیر افگن اور ڈیڈی کے درمیان کوئی ایسا تنازعہ بھی نہیں تھا جس میں مال یا جائیداد کا دخل ہوتا۔ دادا کے ورثے کا بٹوارہ اسی طرح ہوا تھا جیسے قانوناً اور شرعاً ہونا چاہیے۔ کسی نے کسی کا کچھ دبا لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس چچا شیر افگن۔ ڈیڈی کو فرعون بے ساماں کہتے تھے۔ اور ان کے مقابلے میں خود کو انسانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدروں کا حامل سمجھتے تھے کہتے تھے کہ میں کسی مغرور آدمی سے راہ و رسم نہیں رکھ سکتا خواہ میرا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔!"

"آپ لوگوں کا بزنس شکوہ آباد میں بھی ہے!" فریدی نے سوال کیا۔

"ہماری ایک ٹینری بھی ہے نا۔ اس کے لیے شکوہ آباد سے خام چمڑا آتا ہے۔ اُسے جو چاہے سمجھ لیجئے۔ اِسی حد تک بزنس ہے!"

"شیر افگن صاحب کے کاروبار اور ان کے متعلقین کے بارے میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔"

"مویشیوں کی فارمنگ کرتے تھے خاصا بڑا کاروبار ہے۔ سرتاپا انسانیت میں ڈوبے ہوئے تھے اس لیے ایک ایسی بیوہ سے شادی کی تھی جس کے ایک جوان بیٹا بھی تھا۔ خود ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اب وہی ماں بیٹے اُن کے کاروبار پر قابض ہوں گے!"

"اگر ڈیڈی نے اپنا قانونی حق وصول نہ کر لیا تو لازماً اب وہی دونوں ان کی املاک کے مالک ہوں گے۔!"

"لڑکا اُنہی کے ساتھ رہتا تھا۔"

"جی ہاں... اور ہمیں ملنے والی اطلاعات کے مطابق وبال جان بھی تھا!"

"وضاحت کیجئے۔!"

"اول درجے کا آوارہ اور بدمعاش۔ ایئر فورس میں فلائیٹ لفٹیننٹ تھا۔ وہاں کچھ حرکت کی۔ نکالا گیا۔ اور سزا بھی ہوئی۔!"

"اوہ۔!"

"میں نے تو آج تک دیکھا بھی نہیں صرف نام سُنا ہے!"

"کیا نام ہے!"

"نادر شجاع۔!" شکوہ آباد کے بدنام افراد میں سے ہے۔ اوہاں شیطان کی طرح مشہور ہے۔!"

"شادی کب ہوئی تھی شیر افگن صاحب کی...!"

"یہی کوئی دس بارہ سال پہلے کی بات ہے!"

حمید نے معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا... اُسے فریدی کی سنائی ہوئی کہانی کا وہ حصہ یاد آگیا جس میں چودہ سال پہلے کی کسی بیوہ کا ذکر تھا۔

"مس صوفیہ۔ اپنے ذہن پر زور دے کر اُس حملہ آور کے بارے میں بھی تو کچھ بتایئے" فریدی نے کہا۔

"سوائے اِس کے اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ ایک خاصا لمبا تڑنگا آدمی تھا! اور ظاہر ہے کہ خاصا طاقتور بھی تھا۔ ورنہ ایک گھونسے میں...!"

وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔ پھر یک بیک چونک کر بولی "نادر ایئر فورس میں تھا! پیراشوٹ کے استعمال سے بخوبی واقف ہوگا!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ صوفیہ کے چہرے سے دبا ہوا سا جوش ظاہر ہو رہا تھا جیسے بہت دور کی کوڑی لانے پر اپنی ذہنی صلاحیت کی داد چاہتی ہو۔ لیکن فریدی نے موضوع سے ہٹتے ہوئے سوال کیا۔ "راشد صاحب پر پہلی بار دل کا دورہ پڑا ہے!"

"جی نہیں وہ مستقل طور پر دل کے مریض ہیں!"

"اب شیر افگن صاحب کا پتہ بھی لکھوا دیجئے تاکہ اُن کے متعلقین کو اطلاع دی جا سکے۔!"

"وہ تو میں لکھوا دوں گی لیکن یہ بتایئے کہ وہ آپ سے کیوں ملنے آئے تھے۔"

"یہی تو نہیں معلوم ہو سکا! پہلی ملاقات سرسری تھی۔ گفت و شنید کی دوسری ملاقات پر ٹھہری تھی۔ لیکن انہیں اس کا موقع نہ مل سکا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صوفیہ نے حمید کو شیرافگن کا پتہ لکھوایا اور فریدی اُٹھتا ہوا بولا! "اَب اجازت
میری طرف سے راشد صاحب کی مزاج پُرسی کیجئے گا۔!"
"ٹھہریئے! مجھے حملہ آور کے بارے میں کچھ اور بھی یاد آرہا ہے!"
"یہ تو بڑی اچھی بات ہے!"
"اُس کے پاس سے کچھ اس قسم کی بُو آرہی تھی جیسی چڑیا گھر میں بھیڑیوں کے کٹہرے
س پاس گونجتی رہتی ہے۔!"
"اُوہ اچھا۔ یہ ایک بہت ہی خاص علامت ہوئی۔ بہت بہت شکریہ مس صوفیہ
پر مزید زور دینے کی کوشش کیجئے گا۔"
"کیپٹن حمید صاحب مجھے بہت دنوں سے جانتے ہیں۔!"
"اسی لیے تو آپ کی گاڑی دیکھتے ہی پہچان لی تھی۔ ورنہ پتہ نہیں کہاں کہاں سر
پٹختا۔"
"مجھے صرف ڈیڈی کی وجہ سے تشویش ہے! اُن کی صحت اِس قسم کے ہیجان برداشت
نے کی پوزیشن میں نہیں ہے!"
"میں سمجھتا ہوں۔ آپ انہیں میری طرف سے اطمینان دلا دیجئے گا۔ ابھی تک تو ایسا ہوا
س کہ کوئی ناکردہ گناہ میرے ہاتھوں سزا کو پہنچا ہو!"
"اَب کدھر۔" حمید نے گاڑی میں بیٹھتے وقت پوچھا!
"اَب اُدھر۔ جہاں تمہاری مرمت ہوگی۔" فریدی نے کہا اور گاڑی حرکت میں آگئی۔
"نادر شجاع والی بات قابل غور ہے!" حمید نے کہا۔
"کس حیثیت سے!"
"وہ ایئر فورس میں تھا۔ لہٰذا پیراشوٹ...!"
"کافی ثبوت نہیں ہے۔ بہرحال اس پہلو سے بھی غور کیا جا سکتا ہے!"

"اور پھر وہ بیوہ والی بات۔"
"اُس نے تو کہا تھا کہ وہ چودہ سال پہلے کی کسی ایسی بیوہ سے واقف نہیں ہے
جس پر شہر میں کوئی ستم ٹوٹا ہو۔!"
"اگر یہ نادر شجاع اُس کے بتائے ہوئے حُلیے پر پورا اُترا تو۔!"
"دیکھا جائے گا۔!"
تھوڑی دیر بعد گاڑی موڈل ٹاؤن کی ایک عمارت کے سامنے روکی تھی۔ حمید
جانتا تھا کہ وہ بھی اُنہی عمارتوں میں سے ہے جہاں فریدی کی ضرورت کا بہتر اسامان رہتا
تھا اور وہ گھر یا دفتر سے رابطہ رکھے بغیر بھی اشد ضروری معاملات وہیں نپٹا دیتا تھا۔
"اَب سرحد پار روانگی تک تمہارا قیام یہیں رہے گا!" فریدی نے عمارت کے
اندر پہنچ کر کہا! "یہیں میں تمہیں ہپی بناؤں گا۔!"
"اتنی جلدی... گناہ بخشوا لینے کی تو مہلت دی ہوتی۔!"
"وقت کم ہے۔ تم قاسم کے پاس ہپی ہی کے میک اَپ میں جاؤ۔ یہاں ایک
انسٹینٹ کیمرہ بھی موجود ہے اُسے ساتھ لے جانا اور قاسم کی تصویریں اُتار لینا۔ پاسپورٹ
اور ویزا کے لیے۔ تمہاری تصویریں میں خود بنا لوں گا... اور کل صبح تک تمہیں پاسپورٹ
اور ویزا مل جائیں گے۔!"
"جیسی آپ کی مرضی۔!"
"سرحد پار پہنچ کر جو کچھ کرنا ہوگا اس کے لیے تحریری ہدایات ملیں گی...!"
"او کے باس!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قاسم کبھی گیٹار بجانے کی کوشش کرتا اور کبھی سر پیٹنے لگتا کہ حمید کے چکّر میں پڑ کر یہ کیا کر بیٹھا ہے۔ نہ گھر واپس جا سکتا تھا اور نہ ڈاڑھی صاف کرا سکتا تھا۔ ڈاڑھی اس لیے اب رکھنی ہی تھی کہ بیوی کو جلانے کے کام آئے گی۔ اور گھر اس لیے نہیں جا سکتا تھا کہ ظالم باپ دو چار حجام ساتھ لے کر پہنچ جائے گا۔ اسی طرح بیٹھا جل کڑھ رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"قون ہے!" بھنّا کر دہاڑا۔

"روم سروس جناب۔!"

"ارے باپ رے!" کہہ کر قاسم نے دونوں ہاتھوں سے کلیجہ دبا لیا پھر مُردہ سی آواز میں بولا "آجاؤ"

دروازہ کھول کر شریف اندر داخل ہوا۔

"لاؤں جناب۔!" اُس نے کہا۔

"نن نہیں... ابھی نہیں... میں اپنا چوُرن کا ڈبّہ گھر بھول آیا ہوں۔" قاسم نے بوکھلا کر کہا۔

"چوُرن کا ڈبّہ۔!" شریف کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اَمے ہاں!" قاسم کھسیانے انداز میں بولا۔ "قبھی قبھی عورتوں کو دیکھ کر متلی بھی ہونے لگتی ہے... اس لیے چورن کا ڈبّہ۔!"

"متلی۔" شریف ہنس کر بولا "ارے نہیں صاحب!"

"قیا میں جھوٹ بول رہا ہوں!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا لیکن آپ جذبات کے ہیجان کو تو متلی نہیں سمجھتے!"

"امے ہوتا ہوغا کچھ تم سے مطلب... بس کہہ دیا جب چوُرن کا ڈبہ آجائے غا۔ تب...!"

"خیر۔ سگرٹ تو نہیں چاہئیں...!"

"لاؤ۔ دیدو۔!" قاسم جیب سے پرس نکالتا ہوا بولا۔

"اکٹھے دو پیکٹ لے لیجئے۔!"

"دس بھی ہوں تو دے دو!" قاسم بگڑ کر بولا۔

"نہیں صرف دو ہی ہیں اِس وقت۔!"

قاسم نے دس دس کے چار نوٹ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور اُس نے دو پیکٹ حوالے کرتے ہوئے کہا "جب چوُرن کا ڈبّہ آجائے تو مجھے مطلع فرما دیجئے گا!"

"پھر ما دوں گا غا۔ اَب جاؤ۔!" قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ چلا گیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر دستک ہوئی۔

"اَبے اتنی جلدی قیسے آجائے گا ڈبّہ!" قاسم جھلا کر دہاڑا۔ لیکن دستک پھر ہوئی۔

"ہت تیرے کی!" قاسم بھنّا کر اُٹھا اور دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس بار ایک ہپّی دکھائی دیا۔

"مجھے کیپٹن حمید نے بھیجا ہے!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا۔ اچھا۔ آجاؤ۔!" قاسم جلدی سے پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

ہپّی اُس کے کہے بغیر سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا! "کوئی لونڈیا وونڈیا ساتھ نہیں ہے کیا۔"

"ہو جائے غی... وہ بھی ہو جائے غی۔!" قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔ "چرس پیٹو گے۔"

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔!" ہپّی نے آنکھیں نکالیں۔

"کک... کیسی بدتمیزی...!" قاسم بوکھلا گیا۔

"اتنی بدتمیزی سے اُن محترمہ کا نام لیتے ہو۔ یوں پوچھو نُور اُتارو گے حلق سے...!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہی ہی ہی ہی ... چلو یہی سہی۔!" کہہ کر قاسم نے تینوں پیکٹ نکالے اور اُس کے سامنے رکھ دیئے۔

ہپی نے اُسے غور سے دیکھا اور پیکٹ سے سگرٹ نکال کر سونگھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کیپٹن حمید نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم سچ مچ چرس پینے لگو ..."

"لانت ہے پینے والے پر ... وہ سالا روم سروس والا زبردستی گلے لگا گیا ہے! بیس بیس روپے کے پیکٹ۔"

"بس رکھے رہو۔ پینا مت ورنہ سر نیچے ہوگا اور ٹانگیں اُوپر۔!"

"بہت اچھا یقین حمید بھائی کہاں ہیں!"

"وہ وہیں مل جائیں گے جہاں ہم دونوں کو جانا ہے ...!"

"کہاں جانا ہے ...!"

"سرحد کے پار جہاں سے ہپیوں کے قافلے اِدھر آتے ہیں!"

"اچھا اچھا!"

"میں تمہاری تصویریں کھینچوں گا پاسپورٹ کے لیے ..!"

"جرور جرور ... تو تم بھی ساتھ چلو گے۔!"

"ہاں میں بھی ساتھ چلوں گا۔!"

"تم بھی چرس نہیں پیتے۔!"

"نہیں۔ قطعی نہیں ...!"

"اچھا اچھا سمجھ گیا ... تم بھی لونڈیا ہپی ہو ...!"

"یہ لونڈیا کیا ہوتا ہے!"

"صرف لونڈیوں والے ہپی۔ چرس والے نہیں!"

"بے فائدہ بکواس سے کیا حاصل ... یہ باتیں کہی نہیں جاتیں۔"

"بہت اچھا تم کھینچو تصویر۔ دیکھا جائے گا۔"

ہپی نے اپنے تھیلے سے انسٹینٹ کیمرہ نکالا اور قاسم پوز دینے کی کوشش میں ازمنۂ قدیم کا کوئی آدمی معلوم ہونے لگا۔

ابھی یہ عمل جاری ہی تھا کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔

"ابے اَب قون ہے!" قاسم غُرّایا۔

"روم سروس جناب!" باہر سے آواز آئی۔ قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نووارد ہپی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس نے یکدم سے دروازہ کھولا تھا۔

ویٹر کے پیچھے ایک غیر مُلکی ہپی لڑکی کھڑی نظر آئی۔ اُس کے لمبے اور سنہرے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے! بڑی آنکھوں اور اُداس سے چہرے والی یہ سفید فام لڑکی بڑی دلکش لگ رہی تھی۔

اجنبی ہپی کو سامنے دیکھ کر شریف گڑبڑا گیا!

"اُن صاحب کی فرمائش پر۔!" اس نے قاسم کی طرف اُنگلی اٹھا کر کہا!

"اندر آجاؤ!" ہپی نے کہا۔ قاسم ہونقوں کی طرح منہ کھولے بیٹھا تھا۔

"چورن کے ڈبّے کے بغیر بھی کام چلے گا صاحب!" شریف نے قاسم سے کہا اور اُس نے صرف منہ بند کر لیا اور ہپی کی طرف دیکھنے لگا!

"سب ٹھیک ہے!" ہپی نے اُسے تشفی دی!

"یہ بیچاری بالکل مفلس ہوگئی ہے!" شریف نے کہا "چرس اور پیٹ بھر کھانے کے علاوہ اور کچھ نہ چاہیئے ... لیکن میرے پانچ سو روپے ہوئے اور ہوٹل کے ڈیڑھ سو۔"

"انجکشن تو نہیں لیتی!" ہپی نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نہیں جانتا! خود پوچھ لیجئے۔!"

ہپی نے انگلش میں لڑکی سے یہی سوال کیا۔ اور اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ لیکن
کے اشارے سے سگرٹ طلب کی تھی۔ حمید نے میز پر رکھے ہوئے پیکٹوں میں سے
ب اٹھا کر اُسے تھما دیا اور اُس کے چہرے کی اُداسی یکلخت کافور ہو گئی۔ بڑے چاؤ
ے ایک سگرٹ سلگا کر طویل کش لیا اور سگرٹ کے پیکٹ کو پیار سے دیکھنے لگی۔

"ادائیگی کر دو!" ہپی نے قاسم سے کہا۔

"یقین چورن کا ڈبہ!"

لڑکی اپنا تھیلا فرش پر رکھ کر آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے
س کے سگرٹ کے علاوہ اُسے اور کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔

"کیسا چورن کا ڈبہ۔!"

"جناب! یہ کہہ رہے تھے کہ عورتوں کو دیکھ کر کبھی کبھی متلی بھی ہونے لگتی ہے۔" ویٹر نے کہا

"اس لیے گھر سے چورن کا ڈبہ منگوائے بغیر معاملے کی بات نہیں کریں گے!"

ہپی کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی... اُس
نے قاسم کا شانہ تھپک کر کہا! "چورن کا ڈبہ بھی آ جائے گا۔ تم ادائیگی کر دو۔!"

قاسم نے ساڑھے چھ سو کے نوٹ نکالے اور ویٹر کو تھما دیئے۔ وہ اُسے فرشی
سلام کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔

"تم کہاں سے آئی ہو!" ہپی نے لڑکی سے سوال کیا۔

"ماں کے پیٹ سے!" اُس نے سگرٹ کے مشتعل سرے پر نظر جمائے ہوئے
جواب دیا۔

"ہمارے ساتھ رہو گی۔!"

"کیا مضائقہ ہے۔!"

"ہم کل سرحد پار فلائی کریں گے۔!"

"ضرور کرنا۔!"

"مطلب ہے تم بھی چلو گی۔!"

"کیوں نہ چلوں گی!"

"تمہارا کوئی ساتھی بھی ہے!"

"ماں کے پیٹ سے تنہا آئی تھی...!"

"یہ سالا ماں کا پیٹ قہاں سے نقل آیا ہے!" قاسم اُردو میں بڑبڑایا۔

"پاسپورٹ ہے۔!"

"ہے کیوں نہیں۔!"

"نکالو۔ ویزا بنوا دوں گا۔!"

اُس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر پاسپورٹ نکالا اور ہپی کی طرف بڑھا دیا۔ سگرٹ
ختم ہو چکا تھا اس لیے اُس نے اُن دونوں کی طرف بھی توجہ دی اور دونوں کا تفصیلی جائزہ
لینے کے بعد بولی! "تم دونوں بہت مالدار معلوم ہوتے ہو۔"

لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

پھر ہپی اُٹھتا ہوا بولا۔ "میں شام تک واپس آؤں گا...!"

"اور یہ... اور یہ!" قاسم ہکلا کر بولا۔

"میری واپسی تک یہیں رہے گی..."

"بچ... چورن کا ڈبہ۔!"

"واپسی میں لیتا آؤں گا..!"

"ارے سنو تو...!" قاسم بے بسی سے ہاتھ ہلا کر رہ گیا۔ کیونکہ وہ تو باہر نکل گیا تھا
آخر اُس نے تھوک نگل کر لڑکی کی طرف دیکھا جو تھیلے سے ایک کتاب نکال کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس میں محو ہو گئی تھی۔!

قاسم نے پہلے تو دانت نکالے پھر سختی سے ہونٹ بھینچ کر بیٹھ گیا۔ لڑکی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں کسی دوسرے کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔

قاسم اٹھ کر فون پر روم سروس کو للکارنے لگا! "شریف کو بلاؤ۔۔۔"

"جی صاحب! میں ہی بول رہا ہوں!"

"بس لونڈیا پکڑ اکر چلتے بنے۔۔۔ مجھے بھوخ لگی ہے! دو مُسلّم رانیں ڈبل بکرے والی۔۔ ور ایک بڑا والا چکن فرائی۔۔۔"

"بہت بہتر جناب۔ ابھی حاضر کرتا ہوں!"

قاسم ریسیور رکھ کر مڑا تو لڑکی بولی! "مجھے نروان کی تلاش ہے!"

"ضرور مل جائے گا!" اُس نے کہا۔

قاسم انگریزی روانی سے بول سکتا تھا۔ لیکن اُردو حلق میں پھنسنے لگتی تھی۔ انگریزی کا تلفظ بھی صحیح کرتا تھا۔۔۔ اور یہ کوئی انوکھی بات بھی نہیں تھی۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ انگریزی میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں۔ لیکن اُردو ان کا بیڑہ غرق کر دیتی ہے بعض اچھے مقرروں میں بھی کئی اُردو کے مارے ہوئے نظر آجائیں گے۔ بیچارے کہنا کچھ چاہتے ہیں۔ لیکن زبان سے کچھ نکلتا ہے اور عوام جو زیادہ تر باتوں کے رسیا ہوتے ہیں۔ کبھی تو محظوظ ہوتے اور کبھی دوڑا لیتے ہیں۔

تو بے چارہ قاسم بھی اسی بپتا کا مارا ہوا تھا۔ بچپن ایسے بچوں میں گذرا تھا جو "بتا چلا" کو "معلوم چلا" بولتے تھے اور گھر پہ "باوا جان" "تلفظ" کے معاملے میں ہلاکو خان بن جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے تو گھر اور باہر کی اُردو گڈ مڈ ہوئی اور پھر ڈنڈے خاں نے تلفظ کی بھی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دی۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں ذہنی نشوونما تو ماری ہی جاتی ہے۔

بہر حال یہ تھے قاسم صاحب۔!

"تم نروان کے بارے میں کیا جانتے ہو!" لڑکی نے پوچھا!

"اچھا خاصا ہوتا ہے۔!"

"تم کچھ بھی نہیں جانتے۔!"

قاسم خاموش ہی رہا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی اور تالو خشک ہوا جا رہا تھا لڑکی نے پیکٹ سے دوسرا سگرٹ نکالا اور اُسے سلگانے لگی۔۔۔ قاسم گم سُم بیٹھا دیکھتا رہا۔ اُسے یہ لڑکی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ "روائتی لونڈیا" تو بالکل نہیں معلوم ہوتی تھی۔!

"آخر مقصد کیا ہے!" اُس نے کش لے کر کہا۔۔

"کس کا مقصد۔!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔

"اسی کا۔!" اُس نے اشارے سے قاسم کا سراپا ناپتے ہوئے کہا۔

قاسم نے سوچا بُرے پھنسے۔۔۔ یہ سالا حمید کا بھیجا ہوا پیٹی بھی ایک ہی حرامزادہ نکلا۔ اس دبال کو اُس کے سر مار کر خود چلتا بنا۔ سالے نے چُورن کے ڈبے والی بھی نہ سُنی۔ ابے حمید سالے کمینے۔ خدا تجھے غارت کرے گھر پہ بیٹھے بیٹھے بھی جان جلائے جا رہا ہے۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا!" لڑکی پھر بولی۔

"مجھے بھوک لگی ہے!"

"بھوک تو مجھے بھی لگی ہے!"

"میں نے تمہارے لیے مُرغ مُسلّم منگوایا ہے!"

"مرغ ہو یا اُبلے ہوئے آلو ہوں۔ میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پیٹ بھرنے سے مطلب۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قاسم نے سوچا تب تو سستی پڑی ہے۔ مگر سالی ساٹھ روپے کی چُرس اکیلے اکیلے پی جائے گی۔

"اچھا تو تب تک گیٹار ہی سناؤ۔!"

"تمہارے پلّے نہیں پڑے گا۔ انگلش دُھنیں نہیں بجا سکتا!"

"اپنی ہی سناؤ!"

قاسم نے بوکھلا کر گیٹار پر ہاتھ مارا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور دونوں اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ویٹر نے خود ہی دروازہ کھولا اور کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔

دو مسلم رانیں اور ایک مُرغ دیکھ کر لڑکی بولی "یہ کتنے افراد کا کھانا ہے!"

"میرا اور تمہارا"

"میرے لیے بس مرغ کی ایک ٹانگ کافی ہو گی اور تم اتنا کھاؤ گے!"

"ہاں کچھ سہارا ہو جائے گا۔ ابھی لنچ کا وقت ہی کہاں ہوا ہے!" قاسم نے کہا اور ویٹر پر غرّایا "تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو دفع ہو جاؤ!"

وہ چلا گیا۔ قاسم نے ایک ران اُٹھائی اور اُدھیڑنے لگا!

"تم میری سمجھ میں نہیں آئے!" لڑکی نے جیرت سے کہا۔

"کھاؤ... کھاؤ... مجھے سمجھ کر کیا کرو گی۔"

"ہاں اور کیا... بقیہ دنیا کب سمجھ میں آئی ہے!" لڑکی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور چھُری سے مرغ کی ٹانگ کاٹنے لگی۔

"تمہارا نام کیا ہے۔!" قاسم نے ڈرتے ڈرتے پہلا سوال کیا۔

"کارسیکا... تم سکی کہہ سکتے ہو۔ اور تمہارا نام۔!"

"قاسم..."

"اچھا نام ہے۔ ویسے تم صرف دیکھنے ہی میں دیو نہیں ہو۔ دیوؤں کی طرح کھاتے بھی ہو۔"

"اتنے میں پیٹ نہیں بھرے گا... دوسروں کے سامنے کھاتے ہوئے شرماتا ہوں۔ اس لیے تھوڑا سا منگوایا ہے۔!"

"یہ تھوڑا سا ہے" وہ مرغ کی ٹانگ پلیٹ میں رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھو... بیٹھو۔ کیوں پریشان ہو رہی ہو...!"

"پریشان ہو رہی ہوں۔ ارے میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"نہیں ہو گی۔ بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس بہت رقم ہے۔ تمہارا بھی کام چلے گا اور میرا بھی۔!"

وہ بیٹھ گئی۔ لیکن حیرت سے قاسم کو دیکھتی رہی۔ مُرغ کی ٹانگ بھی نہیں اُٹھائی تھی۔

شکوہ آباد کے ایس پی کا دفتر کیا تھا اچھا خاصا نگار خانہ تھا۔ دیواروں پر نادر قسم کی پینٹنگز آویزاں تھیں اور جگہ جگہ نوادرات رکھے ہوئے تھے۔ لیکن خود ایس۔ پی شہباز آرٹسٹ کی بجائے پہلوان لگتا تھا۔

چڑھی ہوئی گھنی مونچھیں۔ سرخ سرخ آنکھیں۔ پیشانی کی سلوٹیں کسی وقت بھی معدوم نہ ہوتیں... اچھے اچھے مقرر بھی اُس کی شکل دیکھتے ہی ہکلانے لگتے تھے۔

اس وقت شکوہ آباد کا ایک معزز آدمی اس کے سامنے دم بخود بیٹھا تھا۔ اور شہباز اُسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچّا چبا جائے گا۔!

دفعتہً اُس نے کہا "مجھے ابھی تک اپنی بات کا جواب نہیں ملا ناصر خاں۔!"

"میں کیا کہوں۔ علاوہ اس کے کہ میرا اِس معاملے سے کوئی تعلق نہیں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ تم نے ایک ہفتہ پہلے شیر افگن کو دھمکیاں دی تھیں۔"

"مجھے اس سے کب انکار ہے! لیکن اُس کے قتل میں میرا ہاتھ ہرگز نہیں ہے!"

"کس بات پر جھگڑا ہوا تھا۔!"

"اُس کے فارم کے تین مویشی غائب ہو گئے تھے! اور وہ چوری کا الزام میرے ملازموں پر رکھ رہا تھا۔"

"اور تم آپے سے باہر ہو گئے۔!"

"کیا میں اتنا کم حیثیت ہوں کہ مویشی چوری کراؤں گا۔!"

"تمہارا بڑا بیٹا ایئر فورس میں ہے نا۔!"

"جی ہاں...!"

"یعنی پیراشوٹ کے استعمال سے کما حقہٗ واقف ہے!"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں!"

"وہی جو تم سمجھ رہے ہو۔!"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ رہا۔"

"خیر... خیر... تمہارا بیٹا آج کل چھٹی پر آیا ہوا ہے!"

"آیا تھا... اپنی نانہال گیا ہوا ہے۔!"

"یعنی یہاں موجود نہیں ہے... خیر... مجھ سے یہ بات چھپی نہ رہ سکے گی کہ وہ شیر افگن کے قتل والے دن بھی نانہال ہی میں تھا یا کہیں اور۔!"

"آپ ضرور معلوم کیجئے...!"

"معلوم کر چکا ہوں ناصر خان..!" شہباز نے طنزیہ لہجے میں کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردلی دفتر میں داخل ہوا۔

"انسپکٹر نعیم کو بھیج دو۔!" شہباز نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور وہ چلا گیا۔

"کیا وہ وہاں موجود نہیں ہے۔!" ناصر خان نے مُردہ سی آواز میں پوچھا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" شہباز نے کہا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں ایک سب انسپکٹر نے دفتر میں داخل ہو کر سلیوٹ کیا۔

"انسپکٹر۔ تم علی آباد گئے تھے۔ کیا معلوم کیا۔!"

"لفٹیننٹ داور نے وہاں صرف ایک دن قیام کیا تھا۔"

"اس کے بعد کہاں گیا۔!"

"اُن کے نانا نے اس سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔"

"بس جاؤ۔!"

سب انسپکٹر چلا گیا اور شہباز سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "اب کیا کہتے ہو!"

"آپ اگر اس طرح اُلجھانا چاہتے ہیں تو یونہی سہی۔!"

"بہر حال تم انکار ہی کرتے رہو گے۔!"

"آپ مجھ سے کسی ایسی بات کا اعتراف نہیں کرا سکتے جس کا تعلق مجھ سے نہ ہو۔!"

"میں نے کہا تھا بتاؤ داور کہاں ہے!"

"میں نہیں جانتا اگر وہ علی آباد میں نہیں ہے۔!"

"مجھے تم سے کوئی اعتراف نہیں کرانا۔ اعتراف تو داور کرے گا۔ مجھے اُس کا پتا بتاؤ۔"

"میں نے کہہ دیا کہ میں نہیں جانتا۔ سیلانی طبیعت کا مالک ہے چھٹیوں میں کہیں ٹک کر نہیں بیٹھتا۔!"

"مجھے تشدد پر مجبور نہ کرو۔ ناصر خان۔!"

"میں بھی پٹھان ہوں شہباز خاں! مجھے دھمکی نہ دو۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ بات ہے!" شہباز میز پر جھک اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا! "ایک مفرور قاتل کی پردہ پوشی بھی کرو گے اور آنکھیں بھی دکھاؤ گے۔!"

ناصر خاں نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔ شاید اِس لیے کہ کہیں کچھ اور بھی زبان سے نہ نکل جائے۔

شہباز خان نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور اردلی پھر اندر داخل ہوا۔

"فلائینگ اسکواڈ کے جوانوں کو بھیج دو۔!" ایس۔ پی نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

اردلی چلا گیا اور شہباز، ناصر خان کی طرف سے منہ پھیرے بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد دو قوی ہیکل جوانوں نے اندر داخل ہو کر اُسے سیلوٹ کیا!

"خان ناصر خان کو تفریح کراؤ اور پھر گھر چھوڑ آؤ۔!" شہباز نے ان سے کہا۔

"تت تفریح کا کیا مطلب۔!" ناصر خان آہستہ سے بولا۔

"تفریح کا مطلب تفریح ہے خان! مجھے تم نے بہت دیر سے بتایا کہ تم بھی پٹھان ہو۔ لہٰذا اب تمہارے شایانِ شان برتاؤ کیا جائے گا!"

"خدا شاہد ہے میں نہیں جانتا کہ داور کہاں ہے!"

"تمہیں اس سے اس کے بیٹے داور کا پتا معلوم کرنا ہے...!" شہباز نے دونوں جوانوں سے سرد لہجے میں کہا۔

دونوں آگے بڑھے اور ناصر خان کو کھینچ کر کرسی سے اُٹھا دیا۔

"یہ ظلم ہے...!" ناصر بے بسی سے چیخا۔ معمر آدمی تھا۔ اُن جوانوں سے طاقت آزمائی کی تاب نہیں رکھتا تھا۔

دونوں اُسے گھسیٹتے ہوئے باہر لائے اور ایک جیپ پر بیٹھا دیا اور خود بھی اُچھل کر اُس کے دونوں اطراف میں بیٹھ گئے۔ تیسرا جوان اسٹیئرنگ پر تھا اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ حرکت میں آ گئی۔

"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔" ناصر نے اُن سے سوال کیا۔

"چپکے بیٹھے رہو!" ایک جوان اُس کے پہلو میں کہنی مار کر بولا۔

جیپ ایک ویران سڑک پر آ نکلی تھی اور اُس کا رخ ویرانے ہی کی طرف تھا۔

ناصر خاں سختی سے ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔ اُس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا اور آنکھوں سے ذہنی انتشار کی سی کیفیت ظاہر ہو رہی تھی۔

کئی میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپ نے پختہ سڑک چھوڑ دی اور بائیں جانب کچے میں اُتر گئی... یہ ایک چھوٹا سا میدان تھا جس پر چھوٹے چھوٹے نکیلے پتھر بچھے ہوئے تھے!

جیپ رک گئی اور ناصر خاں سے اُترنے کو کہا گیا...

"یہ تم لوگ مجھے کہاں لائے ہو۔!" ناصر خان نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا!

"تفریح کے لیے خان!" ایک جوان ہنس کر بولا۔

"ہاں یہ بہت بڑا خان ہے۔ اس لیے تفریح بھی بہت بڑی ہونی چاہیے!" دوسرا بولا۔

ڈرائیور نے اپنے پیروں کے قریب پڑا ہوا رسّی کا لچھا اُٹھایا اور زمین پر ڈال دیا۔

"یہ... یہ کیا ہے!" ناصر خاں بدقت بولا۔

"ابھی دیکھ ہی لو گے خان۔ ورنہ بہتر یہی ہو گا کہ اپنے بیٹے کا پتہ بتا دو"

"تم لوگ تو میری بات کا یقین کرو۔ میں نہیں جانتا...!"

"فکر نہ کرو۔ ہمیں روزانہ ایسے لوگوں سے نپٹنا پڑتا ہے جو کچھ نہیں جانتے لیکن پھر انہیں سب کچھ یاد آ جاتا ہے!"

"اللہ دیکھنے اور سننے والا ہے!" ناصر خاں کراہا۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھیں دھندلی پڑ گئی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک جوان رسی کا لچھا کھولنے لگا اور دوسرے نے ناصر خان سے کہا "اب بھی بہتر ہے بتا دو۔ ورنہ تمہاری چیخیں اس ویرانے میں گونجتی رہیں گی۔"

"اگر جانتا ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔ یقین کرو۔ اگر اُس نے قتل کیا ہے تو میں اُسے تلاش کر کے قانون کے حوالے کر دوں گا۔"

"تم کہاں تکلیف کرو گے۔ بس ہمیں بتا دو۔ اتنا ہی کافی ہے!"

"میں کس طرح تمہیں اپنی لاعلمی کا یقین دلاؤں۔"

"کوشش کرو۔!"

"وقت نہ برباد کرو یار و تفریح شروع کر دو!" ڈرائیور نے کہا۔ وہ سیٹ سے نہیں اُترا تھا۔

دفعتہً ایک نے ناصر خان کو زمین پر پچھاڑ دیا... اور دوسرا رسی سے اُس کے دونوں ہاتھ باندھنے لگا۔

"یہ کیا کر رہے ہو!" ناصر خاں حلق کے بل چیخا!

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

اُس کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے گئے... اور رسی کا دوسرا سرا جیپ کے پیچھے حصّے سے باندھتے ہوئے اُس جوان نے کہا "میں نے سُنا ہے خان کہ تمہارا باپ بڑا جابر آدمی تھا۔"

"میرا باپ جابر تھا۔ میرا بیٹا قاتل ہے۔ لیکن میں نے کیا کیا ہے!"

"یہ ایس۔ پی صاحب جانیں۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں!"

دفعتہً جیپ اسٹارٹ ہوئی اور آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ ناصر خان نکیلے پتھروں پر اوندھا پڑا ہوا اُس کے ساتھ خاموشی سے گھسٹ رہا تھا۔ دونوں جوان قہقہے لگا رہے تھے۔

"یہ ظلم ہے!" ناصر خاں چیخا... اور اُن کے قہقہے پہلے سے زیادہ بلند آہنگ ہو گئے۔

ٹھیک اسی وقت ایک لینڈ رُوور سڑک پر رُکی... اور اُس پر سے تین آدمی اُتر کر میدان کی طرف بڑھنے لگے۔ جیپ میدان میں چکر لگا رہی تھی...

دونوں جوان نو واردوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور ایک نے کڑک کر کہا۔

"اِدھر آنے کی اجازت نہیں ہے...!"

لیکن وہ بڑھتے ہی چلے آئے۔ ان میں سے ایک بہت وجیہہ تھا اور انتہائی توانا معلوم ہوتا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے!..." اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر پوچھا!

"تم سے مطلب اپنا راستہ لو۔ شاید اِدھر کے نہیں معلوم ہوتے۔!"

"ہم سیّاح ہیں۔! لیکن... یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس سے کہو کہ گاڑی روک دے!"

"تم لاٹ گورنر ہو... چلو یہاں سے ورنہ بٹ رسید کروں گا۔" وہ رائفل کندہ اُٹھا کر بولا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اجنبی کے دونوں ساتھیوں نے ریوالور نکال لیے۔!

"تم دونوں اپنی رائفلیں زمین پر ڈال دو ورنہ ختم کر دیئے جاؤ گے؟" اجنبی نے بڑی نرمی سے کہا۔

اُن دونوں نے بوکھلا کر رائفلیں زمین پر ڈال دیں۔ شاید اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ اضطراری طور پر رائفلیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھیں۔

اجنبی آہستہ آہستہ چلنے والی جیپ کی طرف بڑھا۔ ڈرائیور نے شاید اس نئے خطرے کو دیکھ لیا تھا اُس نے جیپ روک دی اور نیچے اُتر آیا۔ یہ بھی باوردی تھا۔

"اِسے کھولو!" اجنبی نے ناصر خاں کی طرف اشارہ کیا جس کا چہرہ لہو لہان ہو رہا تھا۔ وہ سر اُٹھائے انہیں اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے صرف دیکھ ہی رہا ہو۔ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی نہ رہی ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کون ہو تم حکم دینے والے!" ڈرائیور غرایا۔

"میں کوئی بھی ہوں۔ لیکن وہی کرو جو کہہ رہا ہوں!"

"جانتے ہو کس کے حکم سے ہو رہا ہے!"

"میں نہیں جاننا چاہتا۔ ویسے تمہاری وردیاں دیکھ رہا ہوں۔"

"تو پھر۔!"

"اسے فوراً کھول دو۔ ورنہ یہی حشر تمہارا کروں گا۔"

"اخاہ...!" کہہ کر وہ اجنبی پر جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا بایاں جبڑا ہل کر رہ گیا۔ ایسا ہی زوردار ہاتھ پڑا تھا۔

اُدھر اُن دونوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ ایک کہہ رہا تھا "تم لوگ زندہ نہیں بچو گے۔ ایس۔ پی صاحب تمہیں کتوں سے نچوا ڈالیں گے۔"

اجنبی کا مقابل پھر اُٹھا اور حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اس بار اُس کی داہنی پنڈلی پر ٹھوکر پڑی تھی اور وہ منہ کے بل نیچے چلا آیا تھا۔ اجنبی کے دونوں ساتھیوں میں سے ایک انھیں کور کئے کھڑا رہا اور دوسرا جیپ کی طرف بڑھ آیا۔

"اسے کھولو۔!" اجنبی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

ڈرائیور دونوں ہاتھوں سے پنڈلی دبائے بیٹھا مغلظات اُگل رہا تھا۔ ایس پی کا نام لے رہا تھا۔

اجنبی کے ساتھی نے ناصر خان کے ہاتھ کھولے اور اُسے زمین سے اُٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ناصر خاں بظاہر ہوش ہی میں تھا لیکن اس کی آنکھیں عجیب سی لگ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہر قسم کے احساس سے عاری ہو۔

"گاڑی میں لے جاؤ۔ اور اس سے کہو کہ ان دونوں کو اِدھر لائے۔ رائفلوں پر قبضہ کر لو!" اجنبی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

وہ ناصر خاں کو سہارا دیئے ہوئے سڑک کی جانب چل پڑا۔

"تم زندہ نہیں رہو گے... رات نہیں گذار سکتے۔!" ڈرائیور اجنبی سے کہہ رہا تھا

وہ کچھ نہ بولا۔ اُس کا دوسرا ساتھی اُن دونوں کو بھی وہیں لے آیا اور اُن میں سے ایک بولا "تم سرکاری معاملات میں مداخلت کر رہے ہو بھگتو گے۔"

"اب آپ تینوں اپنی پٹیاں بھی کھول کر ہمارے حوالے کر دو!"

"تم آخر ہو کون۔!"

"سرکاری معاملات کو تم سے زیادہ سمجھنے والا۔"

"کیا تم نے ایس۔ پی شہباز کا نام نہیں سنا!"

"اُس کی سات پشتوں سے واقف ہوں۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ پٹیاں کھول دو ورنہ تمہیں تشدد کی ایک نئی قسم سے دوچار ہونا پڑے گا! تین گولیاں تمہاری رانوں میں پیوست ہو جائیں گی۔ اور تم پیدل بھی شہباز تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

انہیں کمر سے پٹیاں کھولنی پڑی تھیں۔ اجنبی نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے ریوالور لے کر کہا! "اب تم جیپ کے چاروں پہیوں کی ہوا نکال دو۔"

وہ تینوں بڑی بڑی قسمیں کھاتے رہے تھے۔ دھمکیاں دیتے رہے تھے۔ لیکن انہیں اسی انداز میں بے بس کر دیا گیا تھا کہ وہ تعاقب کرنے کے قابل نہ رہ جائیں۔

ناصر خاں لینڈ روور کی سیٹ پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا! اجنبی نے اُسے آوازیں دیں اور وہ آنکھیں کھول کر آہستہ سے بولا! "آپ نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے جناب۔"

"آپ کون ہیں... اور یہ سب کیا ہو رہا تھا۔" اجنبی نے پوچھا!

لیکن وہ اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے بولا "جب اُسے یہ معلوم ہو گا تو میرے متعلقین کی شامت آجائے گی۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ کے متعلقین کہاں ہیں۔!"

"یہیں شکوہ آباد میں۔ میرا نام ناصر خان ہے۔ اور یہاں گمنام نہیں ہوں...! شمشاد محل میں رہائش ہے!"

"اوہ... شمشاد محل والے ناصر خاں... خان محی الدین کے بیٹے!"

"جی ہاں...!"

"تو شہباز اس حد تک بڑھ چکا ہے!"

"کسی کی بھی پگڑی سلامت نہیں ہے..."

"لیکن بات کیا تھی۔!" اجنبی نے پوچھا!

"وہ دارالحکومت میں ہونے والے ایک قتل کو میرے بیٹے کے سر منڈھنا چاہتا ہے۔ محض اس لیے کہ ایک ہفتہ قبل مقتول سے میری کسی قدر تلخ کلامی ہو گئی تھی... وہ اپنے مویشیوں کی چوری کا الزام میرے ملازموں پر رکھ رہا تھا۔"

"آپ کے بیٹے پر شبہے کی وجہ بھی بتائی ہو گی۔!"

"شاید آپ نے بھی اخبارات میں پڑھا ہو دارالحکومت کے اُس قتل کے بارے میں۔ قاتل نے فرار کے لیے پیراشوٹ استعمال کیا تھا۔!"

"جی ہاں مجھے یاد ہے!"

میرا بیٹا ایر فورس سے تعلق رکھتا ہے۔ فلائٹ لفیٹننٹ ہے ان دنوں چھٹیوں پر آیا ہوا تھا۔ اپنے نانہال چلا گیا تھا۔ علی آباد۔ وہاں سے کہیں اور چلا گیا۔ سیلانی طبیعت کا مالک ہے کبھی کبھی کسی کو اطلاع دیے بغیر جدھر منہ اٹھتا ہے چل دیتا ہے۔ بہرحال شہباز کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق وہ علی آباد میں صرف ایک دن ٹھہرا۔ پھر کہیں اور چلا گیا۔ شہباز مجھ سے اُس کا پتا پوچھ رہا تھا۔ اس کے لیے اُس نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔"

میں آپ کو شمشاد محل لیے چل رہا ہوں... بے فکر رہیے وہ آپ کے متعلقین کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ حیرت ہے کہ اُس نے مقتول کی بیوی کے بیٹے پر شبہ کیوں نہیں کیا۔ وہ بھی تو ایر فورس کا نکالا ہوا ہے...!"

ناصر خاں اُٹھ بیٹھا! اور اجنبی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا! "آپ کون ہیں جناب!"

"آپ آرام سے لیٹے رہیے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے زخموں کے لیے فی الحال کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ گھر ہی پہنچ کر بات بنے گی...!"

ناصر خاں لیٹ گیا لیکن اُس کی نظر اجنبی کے چہرے ہی پر جمی ہوئی تھی آخر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پہلے بھی کہیں آپ کو دیکھا ہو۔!"

"مجھے بھی شرمندگی ہے کہ میں پہلی ہی نظر میں آپ کو نہ پہچان سکا۔!"

"آپ... کون ہیں۔!"

"میرا نام احمد کمال فریدی ہے... اٹھارہ سال کی عمر تھی میری جب شمشاد محل میں کچھ دنوں کے لیے میرا قیام ہوا تھا۔ خان محی الدین اور میرے باپ اچھے دوست تھے۔!"

"میرے خدا..." ناصر خاں پھر اُٹھ بیٹھا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے فریدی کا بازو پکڑ کر بولا "آپ کرنل فریدی تو نہیں ہیں... نواب عزیز الدین خاں کے بیٹے۔!"

"مجھے افسوس ہے کہ ایسے حالات میں ملاقات ہوئی۔"

"میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس طرح ذلیل کر رہا ہے وہ شریفوں کو۔"

"بے فکر رہیے فرعونیت کی عمر تھوڑی ہوتی ہے!"

"وہ یہاں کا شہنشاہ ہے۔ اس کے خلاف کچھ بھی کہیے اُوپر والوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ لیکن آدمی آدمی ہی رہے گا خدا نہیں بن سکتا!"

"کرنل صاحب! اس وقت میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ یقین کیجئے اب زخموں کی تکلیف بھی نہیں محسوس ہو رہی"

"شیر افگن کا قتل دارالحکومت میں ہوا تھا۔ اس کی تفتیش میں کر رہا ہوں۔ اب شہباز مداخلت نہیں کر سکے گا"

"جلدی کیجئے کہیں اس کے شکاری کتے ہم سے پہلے نہ پہنچ جائیں...!"

"فکر نہ کیجئے! اُن تینوں کو پیدل جانا پڑے گا اگر کسی سے لفٹ نہ مل گئی۔ میں نے جیپ کے وائرلیس کو بھی ناکارہ کر دیا تھا۔"

وہ سرحد پار بھی پہنچ گئے۔ لیکن حمید نے خود کو قاسم پر ظاہر نہیں کیا۔ بدستور اُس کے لیے اجنبی بنا رہا۔ پیتی لڑکی کورسیکا ان کے ساتھ تھی۔ خاصی ذہین اور پڑھی لکھی ثابت ہوئی تھی۔ روانگی سے قبل اس نے جس قسم کی کتابیں خریدی تھیں۔ اس سے حمید نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سچ مچ نروان ہی کی تلاش میں ہے۔ بہت کم گفتگو کرتی تھی زیادہ تر پڑھتی رہتی تھی یا چرس کے سگرٹ پیتی تھی۔

حمید بھی دھواں اُڑاتا رہتا۔ سگرٹ خود رول کر کے پیتا تھا۔ اس کی ضرورت یوں پیش آتی تھی کہ تمباکو فریدی نے فراہم کیا تھا جس کے دھوئیں سے چرس کی بو آتی تھی۔ لیکن وہ چرس کے اثرات نہیں رکھتا تھا۔

انہوں نے تیسرے درجے کے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ کیونکہ وہاں کچھ ہپی بھی مقیم تھے!

"حمید بھائی کب آئیں گے!" قاسم نے حمید ہی سے پوچھا!

"آئیں یا جہنم میں جائیں۔ مجھے پرواہ نہیں!" جواب ملا۔

"قیا مطلب ۔!" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔ اور پھر بک بک چونک کر بولا۔ "ہاں یہ تم نے پاسپورٹ پر میرا نام قوخان کیوں لکھوایا ہے۔!"

"اور پھر کیا لکھواتا۔!"

"کیا میں تمہیں قو لگتا ہوں!"

"تم تو قو کے بھی قو قو لگتے ہو۔!"

"امے تم خود قو قو بلکہ قی قی۔!"

"میری فکر نہ کرو۔"

"تم آخر ہو قون۔!"

"قراقا خان...!"

"سب سالے قاف ہی سے ہیں۔ تو پھر لونڈیا کا نام قلفی قیوں نہیں رکھ دیا تھا!"

"قلفی سے بھی زیادہ ٹھنڈی معلوم ہوتی ہے!" حمید سرد آہ بھر کر بولا۔

"سب تمہاری بے قوفی سے ہوا ہے... سالی یا تو پڑھتی رہتی ہے یا اُوٹ پٹانگ باتیں قرتی ہے۔ ہونہہ نروان۔ مگر یار یہ نروان ہوتا قیا ہے۔!"

"ہندی کا لفظ ہے۔ بمعنی نجات۔!"

"کس سے نجات...!"

"ہو گی کسی سے۔ میں نہیں جانتا! لیکن جسے تم مل جاؤ... اس کی ہو گئی نجات..!"

"قیا مطلب ۔!"

"حمید صاحب کہہ رہے تھے کہ تمہاری بیوی کی بھی نجات ہو گئی ہے!"

"خبردار جو میری بیوی کا نام لیا۔ گدّی سے زبان کھینچ لوں گا! اور حمید کی تو ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اتنی خوفناک گالی تھی کہ حمید کو پسینہ آگیا۔ لیکن کیا کرتا سننی ہی پڑی کیونکہ قراقا خان تھا۔ پھر بھی دبی زبان سے بولا۔

"اتنے اچھے دوست کو اس طرح ذلیل نہ کرو۔!"

"اور وہ سالا میری بیوی کی نجات کرا تا پھرے۔!" قاسم آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا!

"تم لوگ اتنا شور کیوں مچاتے ہو!" سکی نے کہا جو سامنے ہی اسٹول پر بیٹھی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔

"بتادوں کہ قو خان کی بیوی کا قصہ ہے!" حمید نے آہستہ سے قاسم سے پوچھا اور قاسم بوکھلا کر بولا۔ "نہیں اس کی کیا جرورت ہے۔ ہرگز نہیں... بیوی کا نام بھی لیا تو اٹھا کر پٹخ دوں گا۔"

"شور اس لیے مچاتے ہیں کہ نروان کے علاوہ ہم بھی ہیں اس دنیا میں۔!" حمید نے سکی سے کہا۔

"اچھا تو پھر۔!"

"نروان کتابوں کے ذریعے نہیں ملتا... آخر تم کس سے نجات چاہتی ہو!"

"دکھوں سے!"

"لیکن کتابیں تو اور زیادہ دکھی کر دیتی ہیں!"

"سب کتابیں نہیں۔ ذرا اسے تو پڑھ کر دیکھو۔!"

"کیا ہے اس میں۔!"

"کیا نہیں ہے۔!"

"صرف الفاظ ہیں۔ ناقابل عمل باتیں۔ جنہیں پڑھ کر ذہن تو جھوم اٹھتا ہے لیکن ہاتھ پیر نہیں ہلتے۔! ایک کتاب پڑھ کر دوسری پڑھنی پڑتی ہے... اور نروان کا معاملہ

کھٹائی میں پڑا رہتا ہے...!"

"میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو!"

"کتنے دنوں سے اس چکر میں پڑی ہو۔"

"پانچ سال سے...!"

"پانچ سال سے تم کتابوں میں دفن ہو اور تمہیں پتا نہیں کہ اس دوران میں کتنی بہاریں آئیں کتنے پھول کھلے کتنی بارشیں ہوئیں۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔!"

"پانچ سال تم نے اندھوں کی طرح گذارے ہیں! میری تو روح لرز رہی ہے اس کا تصور کر کے۔"

"پھر تم کیا کرتے پھر رہے ہو...!"

"پتی ازم پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں...!"

"اور یہ۔!" اس نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا!

"اس کی نہ پوچھو یہ تو خود ہی نروان ہے۔ اگر تم کسی طرح اس کو حاصل کر لو تو سارے دکھوں سے نجات پا جاؤ گی۔!"

"میں نہیں سمجھی!"

"یہ ایک کروڑ پتی کا اکلوتا بیٹا ہے!"

"اوہ۔ اچھا!" وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"لیکن اتنا معصوم ہے کہ اتنا بڑا معصوم پہلے کبھی تمہاری نظر سے نہ گذرا ہوگا!"

"اب میں اس کا مطلب نہیں سمجھا!" قاسم نے اردو میں کہا۔ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا!

"خاموش بیٹھے رہو... تمہارا معاملہ پکا کر رہا ہوں..!" حمید نے بھی اردو ہی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا اور سکی اُنہیں پُراشتباہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی "کیا بات ہے؟"

"کہہ رہا تھا کہ مجھے شرمندہ نہ کرو... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اُسترے کی دھار پر نہ چلو۔ کرنسی نوٹوں پر چہل قدمی کرو اسی طرح تمہارا نروان ہو سکتا ہے۔"

"میں اِن آلائشوں سے پاک ہونا چاہتی ہوں!"

"یعنی کرنسی نوٹوں کو آلائش کہہ رہی ہو۔!"

"بالکل...!"

"اور چرس کے لیے جسم فروشی کرتی ہو!"

"کبھی کبھی یہ بھی سوچتی ہوں کہ یہ غلط ہے!"

"مستقل طور پر سوچنا شروع کر دو کہ یہ غلط ہے۔!"

"لیکن تم لوگوں نے مجھ سے معاوضہ طلب نہیں کیا!"

"ہمارا نروان ہو چکا ہے۔!"

"آخر مجھے کیوں ساتھ لائے ہو۔!"

"تمہیں اور تمہارے توسط سے دوسرے ہپیوں کو اسٹڈی کرنے کے لیے۔ میں کتاب لکھ رہا ہوں نا۔!"

"تم اس کی بات کر رہے تھے۔ یہ کیا چیز ہے!" سکی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا

"اسے ہپی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔ اس لیے بن گیا ہے ہپی۔ ورنہ اسے کسی قسم کی بھی محرومی کا سامنا نہیں!"

"لیکن اس نے ابھی تک مجھ سے کچھ نہیں کہا۔!"

"اسی لیے تو میں اس کو نروان کہتا ہوں۔"

"تو پھر میں کیا کروں...!"

"اس سے قریب ہونے کی کوشش کرو۔ جیسا چاہو گی بن جائے گا!"

"اَبے نہیں اَلا قسم!" قاسم گڑبڑا کر اُردو میں بولا! "حمید بھائی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا!"

"کیا کہہ رہا ہے!" سکی نے پوچھا!

"کہہ رہا ہے خواہ مخواہ کنوینسنگ مت کرو۔ میں زبردستی کا سودا نہیں چاہتا۔ اگر مجھ میں کوئی خوبی ہو گی تو خود ہی اُسے میری طرف متوجہ کر دے گی۔!"

"تم واقعی حیرت انگیز ہو!" سکی نے قاسم سے کہا۔

"لہٰذا اَب تم دونوں خود ہی طے کر لو...!" حمید اُٹھتا ہوا بولا "میں تمہارے لیے چرس کی تلاش میں جا رہا ہوں!..."

"اَبے نہیں اَلا قسم... یہ نہیں چلے گی۔ مجھے اکیلے نہ چھوڑو۔!" قاسم بھی گڑبڑا کر اُٹھ گیا۔

"کیوں بیوقوفی کی باتیں کرتے ہو! میں حمید کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ جلدی واپسی ہو گی۔!"

"اکیلے میں مجھے اِس سے شرم آتی ہے!" قاسم شرما کر بولا۔ "یہ بیچاری اتنی نیک اور شریف ہے۔ بالکل مونگ کی دال معلوم ہوتی ہے!"

"پھر کیا جھک مارنے کے لیے ہپی بنے تھے۔!"

"اگر ہپی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں تو مجھ پر ہزار بار لانت!"

"اَب کچھ نہیں ہو سکتا بیٹھو چین سے۔!" حمید نے کہا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ قاسم غوں غوں ہی کرتا رہ گیا تھا۔

فریدی کی ہدایت کے مطابق حمید کو یہاں پہنچ کر اُس آدمی سے رابطہ قائم کرنا تھا جو اُس کام کے سلسلے میں اس کی رہنمائی کرنے والا تھا۔ حمید یہاں پہلے بھی آچکا تھا اور ہر گلی کوچے سے آگاہ تھا۔ دلشاد نامی ایسینگ بار کے سامنے رُک گیا! اندر زیادہ تر میزیں آباد تھیں۔ وہ اندر داخل ہو کر سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے آغا طاہر سے ملنا ہے!" اُس نے بارمین سے کہا اور وہ اُسے اس طرح گھورنے لگا جیسے کوئی نامناسب بات اُس کی زبان سے نکل گئی ہو۔

"تم نے نہیں سُنا! میں نے کیا کہا ہے!" حمید نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا!

"تم ہو کیا چیز! کہاں سے آئے ہو!"

"کیا یہ سوال تمہارے فرائض میں داخل ہے۔!"

"یہ بھی ایک ہی رہی!" وہ طنزیہ سی ہنسی کے ساتھ بولا! "مجھ سے میرا ہی پتا پوچھ رہے ہو۔!"

"اوہ اچھا۔!" حمید نے بھی اُس کی ہنسی میں شریک ہو گیا!

لیکن وہ جواب طلب نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

"تمہیں میرے بارے میں کرنل فریدی سے اطلاع مل چکی ہو گی!"

"اچھا... اچھا...!" وہ چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا! "تم اُدھر دفتر میں چل کر بیٹھو! میں ابھی آ رہا ہوں...!"

اُس نے بائیں جانب والے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ حمید اُس سمت بڑھ گیا۔

چھوٹا سا کمرہ تھا۔ اور سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ سامنے ایک بڑی میز تھی۔ جس کے قریب دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور دوسری جانب ایک گھومنے والی کرسی تھی۔

تھوڑی دیر بعد آغا طاہر کوکا کولا کی دو بوتلیں لیے ہوئے دفتر میں داخل ہوا۔

"معافی چاہتا ہوں!" وہ ایک بوتل حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا "آپ کے حلیے نے مجھے برافروختہ کر دیا تھا! مجھے ہپیوں سے سخت نفرت ہے۔"

"کوئی بات نہیں! اس کام کے لیے یہی حلیہ موزوں تھا!"

"کرنل صاحب کا یہ خیال دُرست تھا کہ اِدھر سے ہپی افیون اُدھر لے جاتے ہیں۔ اور آپ کی طرف سے اُسی افیون کی ہیروئن بن کر اِدھر آتی ہے اور ہیروئن بنانے

کا کارخانہ شکوہ آباد ہی میں کہیں کام کر رہا ہے!"

"اِدھر سے افیون تو چلی جاتی ہے... لیکن اُدھر سے ہیروئن کیسے آتی ہے" حمید نے سوال کیا!

"وہی ہپی جو افیون لے جاتے ہیں۔ ہیروئن لے کر واپس آتے ہیں اور یہاں کا ایک بڑا آفیسر اُس ہیروئن کو بین الاقوامی تجارت میں جھونک دیتا ہے!"

"میں سمجھ گیا!" حمید سر ہلا کر بولا "جو ہپی اِدھر سے جاتے ہیں اُنہیں پھر اِدھر ہی ہنکا دیا جاتا ہے... یعنی اُن سے افیون وصول کی گئی اور ہیروئن حوالے کر کے اُنھیں پھر اِدھر ہی دھکیل دیا گیا!"

"جی ہاں... ایسا ہی ہوتا ہے!"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ شکوہ آباد کا کوئی ذمہ دار آدمی بھی اس میں ملوث ہے!"

"جی ہاں۔ اس کے بغیر تو یہ کام ہو ہی نہیں سکتا!"

"تو پھر وہ ہپی حقیقتہً ہپی نہ ہوں گے بلکہ تربیت یافتہ کارپرداز ہوں گے!"

"آپ کا یہ خیال بھی درست ہے۔!"

"تو پھر اپنی دال کیسے گلے گی۔!"

"ضرور گلے گی۔ اصل کارپرداز تو نصف درجن سے زائد نہیں ہیں۔ ہر مہم پر اُن کے ساتھ نئے چہرے ہوتے ہیں اور یہ واقعی ہپی ہوتے ہیں شکوہ آباد سے سستی چرس حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ بہرحال اصل چکر چرس کا نہیں ہے۔ افیون اور ہیروئن کا کھیل ہے!"

"ہم تین ہیں!" حمید نے کہا "ہمارے ساتھ ایک سفید فام ہپی لڑکی بھی ہے!"

"بس تو پھر یہ منزل اور بھی آسان ہو گئی۔ کسی کو شبہ تک نہ ہو سکے گا۔ اور آپ تینوں اُن میں شامل ہو جائیں گے۔"

"تو پھر ہم کب اور کہاں ملیں۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کل شام کو نگار سینما کے قریب۔!"

"ٹھیک ہے!" حمید اُٹھتا ہوا بولا۔

اُن تینوں کو وہی لینڈ روور ایس۔ پی کے آفس کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتی نظر آئی جس کے مسافر اُن سے نہ صرف اُن کا شکار چھین لے گئے تھے بلکہ انہیں بے بس کر کے پیدل چلنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ قاعدے کی رو سے انہیں حراست میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ اپنی پٹیاں اور رائفلیں کھو بیٹھے تھے۔ لیکن وہ آزاد تھے۔

بڑے جارحانہ انداز میں وہ لینڈ روور کی طرف جھپٹے! لیکن گاڑی کے اندر نظر ڈالتے ہی ٹھٹک گئے۔ کیونکہ اُن کی مرمت کرنے والا اس وقت فوجی وردی میں تھا اور اُس کے شانوں پر کرنل کی نشانیاں تھیں۔

پھر اُنھوں نے دیکھا کہ ایس۔ پی بھی اپنے آفس سے نکل آیا ہے اور اس کی پیشوائی کو آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ تینوں جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔

"ہلو کرنل!" کہہ کر اُس نے پُرتپاک مصافحہ کیا اور اُسے ساتھ لیے ہوئے اپنے دفتر میں چلا آیا۔

"تشریف رکھیے۔ آپ نے بہت اچھا کیا تھا کہ مجھے فون پر آگاہ کر دیا تھا۔"

"میں نے ضروری سمجھا تھا!" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"ورنہ یہی ہوتا کہ میں اسے کسی تخریب کار کی حرکت سمجھ کر اپنے آدمی شمشاد محل کی طرف دوڑا دیتا۔"

"اور ان تینوں کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے۔ ناصر خاں بہت زخمی ہے!"

"آپ نے بہت اچھا کیا کہ ان کی رائفلیں اور پیٹیاں چھین لیں۔ میں نے اُن مردودوں سے ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ وہ ناصر خان سے بدتمیزی سے پیش آئیں۔ میں نے اُن سے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ انہیں شمشاد محل چھوڑ آئیں اور اگر ممکن ہو تو اپنے طور پر اُن سے لفٹیننٹ داور کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن وہ بدبخت اس حد تک چلے گئے۔ میں آپ ہی کا منتظر تھا۔ اَب کیس تیار کر کے انہیں اندر کر دوں گا!"

"رائفلیں اور پیٹیاں گاڑی میں رکھی ہوئی ہیں۔ منگوا لیجیے!" فریدی نے کہا اور جیب سے سگار نکال کر اُس کا گوشہ توڑنے لگا۔ اُس کی آنکھوں سے گہری تشویش کا اظہار ہو رہا تھا! کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "بہرحال میں باضابطہ طور پر شیرافگن کے قتل کی تفتیش کر رہا ہوں!"

"ظاہر ہے کہ قتل دارالحکومت میں ہوا تھا!" ایس پی طویل سانس لے کر بولا! "لیکن چونکہ وہ یہیں کا باشندہ تھا اس لیے خیال پیدا ہوا ممکن ہے کوئی یہیں سے اُس کے پیچھے لگا ہو اور وہاں پہنچ کر اُسے قتل کر دیا ہو۔ اس لیے میں نے بھی کام شروع کر دیا تھا۔"

"اقدام غلط نہیں تھا۔" فریدی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور سگار سلگانے لگا!

"ایس پی اُسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا اور جب اُس نے سگار سلگا کر اپنا چہرہ اُس کے مقابل کیا تو اُس نے بڑی تیزی سے نظروں کا زاویہ بدل کر کہا! "مجھے ان دونوں کے درمیان جھگڑے کی اطلاع ملی تھی۔ اس لیے ناصر خان سے پوچھ گچھ کرنی پڑی۔"

"اور یہ بھی دُرست ہے کہ لفٹیننٹ داور ایئر فورس سے تعلق رکھتا ہے اور اچانک غائب بھی ہو گیا ہے!"

"جی ہاں! میں بھی انہی خطوط پر سوچ رہا تھا!" ایس۔ پی جلدی سے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"حیرت ہے کہ آپ نے نادر شجاع کو نظر انداز کر دیا۔"

"ہرگز نہیں جناب!" ڈی۔ ایس پی سر ہلا کر بولا "سب سے پہلے میری توجہ اُسی طرف مبذول ہوئی تھی۔ لیکن وہ اِس قتل سے پہلے یہیں موجود رہا ہے اب تک کہیں باہر نہیں گیا۔ شیر افگن اُس سے بھی شدید نفرت کرتا تھا!۔ اور ہاں ٹھیک یاد آیا... گذشتہ ہفتے یہاں جو دو چار دھماکے ہوئے تھے۔ اُن کا ذمہ دار بھی شیر افگن نے نادر ہی کو ٹھہرانے کی کوشش کی تھی۔"

"میں نہیں سمجھا!" فریدی اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"وہ اِس سلسلے میں ایک کہانی لے کر میرے پاس آیا تھا۔" ایس پی شہباز نے کہا اور وہی کہانی دہرانے لگا جو شیر افگن فریدی کو پہلے ہی سُنا چکا تھا!

"ہوں..." فریدی طویل سانس لے کر بولا "تو... وہ بیوہ۔!"

"نادر کی اپنی ماں... یعنی شیر افگن کی بیوی۔!"

"تو کیا چودہ سال پہلے اُس پر اسی قسم کے مظالم ٹوٹے تھے!"

"میں نہیں جانتا کہ حقیقت کیا تھی۔ لیکن سُنا ہے کہ نادر کے باپ شجاع نے دولت خان سے قرض لیا تھا جسے ادا کئے بغیر مر گیا تھا۔ دولت خان نے اس کی بیوہ کو اُٹھوا لیا اور وہ ایک ہفتے کے بعد شکوہ آباد کی ایک سڑک پر بیہوش پڑی پائی گئی... بالکل بے سہارا تھی۔ شیر افگن سہارا بن گیا۔ بہر حال شیر افگن نے اُس اجنبی کا جو خاکہ کھینچا تھا وہ نادر پر پورا اُترتا تھا۔"

"تو آپ نے اِس سلسلے میں اُس سے ضرور پوچھ گچھ کی ہوگی" فریدی نے کہا۔

"قدرتی بات ہے۔ لیکن مجھے اُس پر یقین نہیں آیا تھا..."

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ۔!"

"اس سے پہلے بھی کئی بار شیر افگن اُسے قانونی چکروں میں پھنسا کر جیل بھجوانے کی کوشش کر چکا تھا! اُس سے چھٹکارا پانے کی اور کوئی تدبیر بیچارے کی سمجھ

ہی میں نہیں آتی تھی۔"

"تو پھر اسے بھی بعید از امکان نہ سمجھنا چاہیے کہ نادر بھی اُس کی تاک میں نہ رہتا ہو!" فریدی نے کہا!

"میں کب کہتا ہوں۔ میں نے تو صرف یہ عرض کیا تھا کہ شیر افگن کے قتل سے پہلے ہی سے وہ یہاں موجود رہا ہے! میں نے اچھی طرح چیک کر لیا ہے!"

"اس کے باوجود بھی فی الحال یہی دو افراد مشتبہ ہیں۔ نادر اور داور...!"

"چلیئے یونہی سہی۔!"...

"ان دونوں کے فنگر پرنٹس فراہم ہو سکیں گے؟"

"کیوں نہیں۔"

مقتول کے کمرے میں پائے جانے والے نشانات میرے پاس محفوظ ہیں!" فریدی نے کہا۔

"دیکھئے! میری دور اندیشی کی داد دیجئے!" ایس۔ پی ہنس کر بولا "جیسے ہی مجھے اس قتل کی اطلاع ملی تھی۔ میں نے دونوں مشتبہ افراد کے فنگر پرنٹس حاصل کر لیے تھے۔ نادر کے تو براہ راست لیے تھے اور داور کے اُس کی گاڑی کے اسٹیئرنگ سے۔ اَب ذرا یہی دیکھئے کہ گاڑی موجود تھی اور وہ علی آباد غالباً بس سے گیا تھا۔ یہاں سے علی آباد کا فاصلہ صرف پندرہ میل ہے۔ اَب یہ ساری باتیں اُسے مشتبہ قرار دینے کے لیے کافی ہیں یا نہیں۔!"

"واقعی آپ نے بڑا کام کیا۔!"

ایس۔ پی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا کر اردلی کو طلب کیا اور اُس سے بولا "نصیر خان سے کہو فنگر پرنٹس کا فائیل ایس پی آئے۔"

تھوڑی دیر بعد فنگر پرنٹس کا فائیل آگیا تھا اور ایس۔ پی نے اس میں سے دو شیٹ منتخب کر کے فریدی کی طرف بڑھا دیئے تھے۔!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُسی رات کو قریباً گیارہ بجے فریدی اپنے ہوٹل سے فون پر ناصر خاں کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا! "میں فریدی بول رہا ہوں خان!

آپ کے صاحبزادے کا پتہ معلوم ہونا بیحد ضروری ہے!"

"کیوں؟ کیا ہوا۔؟" دوسری طرف ناصر خاں کی آواز آئی۔

"حالات ان کے حق میں نہیں ہیں....!"

"میں نہیں سمجھا!"

"مقتول کے کمرے میں پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات میں سے کچھ داور کی انگلیوں کے نشانات سے ٹیلی کر رہے ہیں۔!"

"موازنہ کرنے کے لیے آپ کو داور کے نشانہائے انگشت کہاں سے ملے؟"

ناصر خان نے چھوٹتے ہی سوال کیا!

"شہباز نے فراہم کئے ہیں! اس کا کہنا ہے کہ قتل اور طریقہ قتل کا علم ہوتے ہی اُس نے دونوں مشتبہ افراد کے نشانہائے انگشت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی"

"دوسرا کون؟"

"نادر شجاع.... دونوں کے نشانات اس نے فراہم کئے ہیں!"

"داور کے نشانات اسے کہاں سے ملے۔"

"کہہ رہا تھا کہ داور کی گاڑی کے اسٹیرنگ سے اُٹھائے ہیں! اور اس پر بھی حیرت ظاہر کر رہا تھا کہ گاڑی ہوتے ہوئے بھی شاید صاحبزادے نے علی آباد کا سفر بس سے کیا تھا!"

"گاڑی خراب تھی۔ لیکن میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ نشانات داور کے ہوں گے۔ گاڑی کئی دنوں سے کمپاؤنڈ میں ایک درخت کے نیچے کھڑی ہوئی ہے داور اُسے وہیں چھوڑ کر چل دیا تھا۔ اگر آپ اُس کے نشانہائے انگشت حاصل

حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے کمرے سے کیجئے!"

"یہ خیال بھی بُرا نہیں ہے۔!" فریدی نے کہا "اچھی بات ہے۔ میں شہباز سمیت، کل دس بجے تک شمشاد محل آؤں گا اور اُسی کے آدمی میری نگرانی میں وہاں کام کریں گے!"

"مجھے منظور ہے!"

فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ طویل سانس لی اور کھڑکی کے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔

پلکیں جھپکائے بغیر وہ قاسم کو دیکھے جا رہی تھی اور قاسم اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں! دفعتہً سکی نے کہا "تم میری طرف کیوں نہیں دیکھتے۔!"

"آئیں۔ ہاں!" قاسم چونک پڑا اور پھر ہی ہی ہی ہی" اسٹارٹ ہو گئی اور اس میں اچانک بریک بھی لگ گیا۔ شاید خود ہی اس مضحکہ خیزی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"یہ سب کیا کرتے رہتے ہو!" سکی نے حیرت سے کہا...

"کچھ بھی نہیں!" قاسم جھینپ کر بولا "تم اپنی کتاب پڑھو نا۔"

"نہیں اب میں صرف تمہیں پڑھنا چاہتی ہوں...!"

"چرس پیتو...!" قاسم نے یونہی ہانک دی۔

"ترک کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ تم بھی تو نہیں پیتے!"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے ساتھی کی باتیں میری سمجھ میں آگئی ہیں! واقعی میں اب تک غلط راہ پر چلتی رہی ہوں ... میں کیسے نروان حاصل کر سکتی ہوں جب کہ چرس نہ ہونے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ نہیں ملتی تو اذیت میں مبتلا رہتی ہوں اور یہ بلا میں نے ہی تو اپنے گلے لگائی ہے۔ چرس وقتی طور پر دکھوں سے آزاد کر دیتی ہے۔ دکھوں سے مستقل طور پر تو نجات نہیں دلا دیتی... جوگیوں اور سادھوؤں کے انکار نے مجھے بہکا دیا تھا۔ تمہارے ساتھی نے آنکھیں کھول دی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ دکھوں سے اُسی وقت نجات مل سکتی ہے جب سارے انسان اپنے دکھ آپس میں بانٹ لیں۔ صرف یہی ہے نجات کا راستہ!"

"وہ تو پاگل ہے... بکواس کرتا ہے۔ تم خوب چرس پیو۔ چاہے جتنی مہنگی ملے میں تمہیں پلاؤں گا۔"

"آخر کیوں؟"

"ارے انسانی ہمدردی بھی تو کوئی چیز ہے۔ اور کسی کام نہیں آسکتا تو چرس ہی پلاؤں غریبوں، محتاجوں کو۔!"

"بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ جتنا وہ عقل مند ہے اُتنے ہی تم گھامڑ ہو۔"

"جو جی چاہے کہو! میں تو مرتے دم تک تمہیں چرس پلاتا رہوں گا۔ تمہیں چرس بیچنے کی ملازمت دے دوں گا اپنے دفتر میں۔"

"ملازمت۔!"

"ہاں۔ ہاں۔ سیکرٹری فار چرس سنگ! تنخواہ الگ۔ چرس مفت!"

"ہنسی آجائے گی مجھے۔!"

"آجانے دو۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے۔!"

"کیا میں تمہیں اتنی اچھی لگتی ہوں...!"

"یہ تو میں نے نہیں کہا!" قاسم نے کہا اور دل میں بولا "سالی مونگ کی دال نہ

ہنستی ہے نہ مسکراتی ہے۔"

"پھر کیوں میرے لیے اتنی زحمت مول لو گے۔!"

"میں زحمت ہی مول لینے کے لیے پیدا ہوں..." "میرا مقدر" قاسم نے کہا اور اردو میں بڑبڑایا "نہ جانے سالا کہاں جا کر مرغیا ہے... وبال میرے سر چھوڑ گیا۔"

"اور کیا کہہ رہے ہو...!" سکی نے پوچھا۔

"اپنی زبان میں شعر پڑھ رہا تھا!" قاسم بوکھلا کر بولا۔

"کیا تھا اس شعر کا مطلب۔ انگلش میں بتاؤ۔!"

قاسم کے دیوتا کوچ کر گئے۔ شعر پڑھا ہوتا تو مطلب بھی بتانے کی کوشش کرتا۔ لیکن اب جو بات زبان سے نکل گئی تھی اُسے بہر حال بھانا تھا۔ لہٰذا ہکلانا شروع کر دیا "اے شخص... کک کیا تو پتھر کا ہے... کہ نہ ہنستا ہے اور نہ مسکراتا ہے... اگر تو واقعی پتھر کا ہے تو آ میں تجھ سے اپنا سر ٹکرا کر پاش پاش کر دوں۔"

سکی نے بہت زور سے قہقہہ لگایا اور قاسم بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ویسے اُسے حیرت بھی تھی کہ آخر اُس نے اتنے بامعنی جملے اس طرح کیسے موزوں کر لیے۔

"تمہاری شکایت بجا ہے!..." سکی سنجیدگی اختیار کر کے بولی "اچھا اب میں تمہاری خاطر خود کو بدلنے کی کوشش کروں گی۔"

"مم۔ میری خاطر...!" قاسم ہکلایا۔

"ہاں تمہاری خاطر۔ زندگی میں پہلی بار مجھے محسوس ہوا ہے کہ آدمی بنیادی طور پر دیوتا تھا۔ لیکن مختلف قسم کے فلسفوں نے اُسے درندہ بنا دیا ہے...!"

"بڑی خوشی ہوئی یہ معلوم کر کے۔!" قاسم روا روی میں بولا۔

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اور دونوں چونک کر ادھر متوجہ ہو گئے۔

"قون ہے!" قاسم نے ہانک لگائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”قراقا خان ۔۔!“ باہر سے آواز آئی۔

”آجاؤ کنڈی نہیں لگی ہوئی ہے!“ قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

حمید دروازہ کھول کر اندر آیا اور باری باری سے دونوں کو دیکھ کر بولا ”کیا ہو رہا تھا۔“

”کچھ بھی نہیں!“ قاسم جھینپ کر بولا ”حمید بھائی ملے۔!“

”فون پر بات ہوئی تھی ابھی وہاں سے روانگی ہی نہیں ہوئی!“

”یقین تم نے میری روانگی قرار دی۔!“

”کیا مطلب۔!“

”امے یہ لونڈیا سیریس ہوگئی ہے۔۔ مجھے نہیں چاہیئے مونگ کی دال“

”سیریس ہوگئی ہے!“ حمید نے حیرت سے کہا ”میں نہیں سمجھا!“

”کہتی ہے۔ تمہاری خاطر میں خود کو بدلنے کی کوشش کروں گی“

حمید نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور پُر تشویش نظروں سے سکی کو دیکھنے لگا۔

”اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ اس نے کیا کہا ہے۔۔!“ سکی نے پوچھا!

”کہہ رہا ہے کہ زندگی میں پہلی بار ایک بھرپور عورت نظر آئی ہے“

”آبے ۔۔۔ آغے۔۔۔ الاقسم اچھا نہیں ہوگا۔!“ قاسم گڑبڑا کر بولا۔ لیکن وہ اُس کی طرف دیکھ کر بڑے دلاویز انداز میں مسکرائی تھی۔

قاسم نے حمید کا نام لے کر سلواتیں سنانی شروع کیں ”یہ سالے نے پتا نہیں فس پاگل کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔!“

”کیا کہہ رہے ہو۔ انگلش میں کہو۔!“ سکی خواہ مخواہ ہنس کر بولی۔

”نہیں کہے گا شرمانا ہے مجھ سے سُنو۔!“ حمید نے کہا۔

”سالے کوئی اُوٹ پٹانگ بات کی تو گلا دبا دوں گا!“

”یہ سمجھتا ہے کہ میں تم پر عاشق ہوگیا ہوں!“ حمید نے کہا۔

”دیکھو۔۔۔ دیکھو۔۔۔ پھر وہی حرامی پن۔!“ قاسم غرّایا۔

”مسٹر قاسم اپنی زبان کو لگام دیجیے۔!“

”مانگی چاہتا ہوں!“ قاسم مُسمسی صورت بنا کر بولا! ”اُردو میں زبان میرے قابو میں نہیں رہتی۔!“

”انگریز کے بچّے ہو!“ حمید نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

”نہیں میں بڑے جالم آدمی کا بچّہ ہوں مجھے ماف قردو! میرا باپ بہت جالم ہے۔ اَب تک اُس کے سامنے بیٹھا سوچتا رہتا ہوں کہ قہیں قوئی غلط بات زبان سے نہ نکل جائے بس زبان سالی کا قباڑا ہو غیا۔!“

”اچھا اچھا میں سمجھ گیا۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے مسٹر قاسم! لیکن اس ہوٹل کو تو چھوڑنا ہی پڑے گا۔!“

”ہم۔۔۔ میں تیار ہوں۔ ابھی اور اسی وقت چھوڑ دو۔!“

قاسم نے کہا اور اُٹھ کر سامان سمیٹنے لگا۔

”یہ کیا کر رہا ہے!“ سکی نے پوچھا۔

”میں نے اس کی غلط فہمی رفع کر دی ہے کہ میں تم پر عاشق ہوگیا ہوں۔ لہٰذا خوش ہو کر اَب ہمیں کسی آرام دہ اور اچھے ہوٹل میں لے جائے گا اور ہم وہیں قیام کریں گے۔“

”یہاں کیا برے ہیں۔ لیکن یہ سن کر خوشی ہوئی کہ یہ میرے بارے میں اتنا سنجیدہ ہے۔!“ سکی نے کہا اور قاسم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

”میں سمجھ گئی۔۔۔ یہ نہیں چاہتا کہ تم اس کے جذبات کی ترجمانی کرو۔۔۔ بڑا سنسنی خیز تجربہ ہے میرے لیے۔۔۔ میرے ملک کے نوجوان تو سب کچھ منہ پر پھینک مارتے ہیں۔ اس کے شرمیلے پن کا جادو مجھ پر مسلط ہوتا جا رہا ہے!“

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اب بتایئے جناب قاسم صاحب۔!" حمید نے چمکار کر کہا۔

"قاسم صاحب سالے کی ایسی کی تیسی۔ کیوں میرا اقبارڑا کرتے ہو... ارے اس کی صورت دیکھ قر میری آنکھوں میں کفن ناچنے لگتا ہے۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں... ویسے کیا پہلے کبھی کوئی لڑکی تم پر عاشق نہیں ہوئی۔"

"جان نہ جلاؤ ورنہ سچ مچ ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دوں گا۔"

"اچھا چلو اٹھو... یہیں نہیں بیٹھے رہنا۔ اب کسی اچھے ہوٹل میں قیام کریں گے۔"

"قیوں۔ یہاں کیا برائی ہے۔!"

"ابھی ابھی کیپٹن حمید نے فون پر بتایا ہے کہ تم کس قسم کی لڑکیاں پسند کرتے ہو۔"

"لڑکیاں جائیں جہنم میں۔ میں تمہارے ساتھ کہیں بھی نہ جاؤں غا۔!"

"کیوں نہیں جاؤ گے۔!"

"میں نہیں جانتا کہ تم قون ہو۔!"

"سچ مچ قراقا خان ہوں قوخان کی طرح بناسپتی نہیں ہوں۔!"

"اب یہ قہوسنے بیٹا۔ خود ہی تو مجھے قوخان بنایا تھا۔!"

"بس مسٹر قاسم زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کیجئے میں جا رہا ہوں آپ جانیں اور آپ کا کام...!"

"ارے... اے... ٹھہرو... میں اکیلے... نہیں رہوں غا...!"

حمید دروازے کے قریب رک کر بولا "اب آپ اکیلے نہیں ہیں یہ لڑکی آپ کی سرپرست بن جانے کی صلاحیت رکھتی ہے!"

"کیا بات ہے" رسکی اٹھتی ہوئی بولی "کیا تم دونوں آپس میں جھگڑا کر رہے ہو!"

ناصر خاں کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ کیونکہ فریدی نے رہی سہی امید پر بھی یہ کہہ کر پانی پھیر دیا تھا کہ داور کے کمرے سے لیے گئے نشانات انگشت بھی اُن نشانات سے مختلف نہیں ہیں جو شہبانہ نے داور کی گاڑی کے اسٹیئرنگ سے حاصل کئے تھے۔

"تو پھر آپ بھی اُسے مجرم سمجھ رہے ہیں!" ناصر نے نحیف سی آواز میں کہا۔

"صرف مشتبہ۔ جرم ثابت ہوئے بغیر کسی کو بھی مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ویسے کیا داور نے آپ دونوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے کو بہت زیادہ اہمیت دی تھی۔"

"ہرگز نہیں۔ وہ تو سن کر ہنسنے لگا تھا اور کہا تھا کہ آدمی اسی لیے بوڑھا ہوتا ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر لڑتا جھگڑتا رہے اور مجھے اس کا یہ ریمارک لفظ بلفظ یاد ہے کہ شبیر افگن صاحب دل کے برے نہیں ہیں۔ بس کمزور اعصاب کی بنا پر جلد طیش میں آجاتے ہیں!"

"بہرحال اب یہ بیحد ضروری ہو گیا ہے کہ داور سامنے آکر اپنی صفائی پیش کرے۔" فریدی نے کہا

"میں ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں کہ اس کا پتہ لگ جائے جیسے ہی مجھے علم ہوا آپ کو آگاہ کر دوں گا۔ اگر سچ مچ وہ اس جرم میں ملوث ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں اسے کس طرح قانون کے حوالے کرتا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے۔ آپ ایسا ہی کریں گے۔"

شمشاد محل سے نکل کر فریدی شبیر افگن کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی بیوہ کو پہلے ہی مطلع کر دیا تھا کہ وہ کس وقت پہنچ رہا ہے۔

نذرہ خاتون شبیر افگن کی بیوہ اس وقت بھی ایسی ہی لگ رہی تھی۔ جیسے کچھ دیر پہلے روتی رہی ہو... فریدی کے استفسار پر اُس نے بتایا کہ ناصر خان سے شبیر افگن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا جھگڑا ضرور ہوا تھا لیکن بعد میں وہ اپنے رویئے پر سخت شرمندہ نظر آتا تھا اور اس نے کھل کر یہ بات کہی تھی کہ اس سے زیادتی سرزد ہوئی ہے۔ محض شبہے کی بنا پر براہ راست الزام نہ رکھ دینا چاہیے تھا۔!

"بات ناصر خاں ہی نے بڑھائی تھی!" اُس کے بیٹے نادر نے کہا جو اُس کی کرسی کے پیچھے کھڑا اُسے پر تشویش نظروں سے دیکھے جا رہا تھا... خاصا قوی ہیکل جوان تھا! جبڑے بھاری تھے اور آنکھوں کی بناوٹ بھی سخت گیر طبیعت کی طرف اشارہ کرتی تھی

"تم خاموش رہو۔!" نذرہ خاتون نے کہا! "ناصر خاں بھی بُرے آدمی نہیں ہیں۔ اگر وہ الزام پر بھڑکے تو اِسے تقاضۂ بشریت کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا! لیکن میں تصوّر بھی نہیں کر سکتی کہ اس قتل میں ان کا ہاتھ بھی ہوگا۔!"

"کسی پر شبہ ہے آپ کو۔!"

"جی نہیں! وہ فطرۃً جھگڑالو آدمی نہیں تھے۔ اس لیے کسی سے دشمنی نہیں تھی۔!"

"میں نے سُنا کہ وہ کسی ایسے مرض میں مُبتلا تھے کہ اچانک چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتے تھے!"

"جی ہاں۔!"

"اور اس کے باوجود بھی آپ لوگوں نے اُنہیں تنہا سفر کرنے دیا۔"

"وہ تنہا تو نہیں گئے تھے!"

اس جواب پر فریدی نے نادر کو چونکتے دیکھا اور فوراً ہی اُس پر سے نظر ہٹالی۔

"کون تھا اُن کے ساتھ؟" فریدی نے سوال کیا؟

"انہوں نے مجھے اُس کا نام نہیں بتایا تھا۔ بس یہ کہا تھا کہ وہ دارالحکومت ہی کا ایک کاروباری آدمی ہے اور اس سے کچے چمڑے کا لین دین رہتا ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُن کے ساتھ پھر شکوہ آباد آئے گا۔!"

آپ نے مجھ سے تو ذکر نہیں کیا تھا!" نادر بولا۔

"کیا یہ ضروری تھا؟" نذرہ خاتون نے اُس سے سوال کیا۔

جی نہیں۔ میرا یہ مطلب تھا...!"

"خاموش کھڑے رہو... دخل اندازی کی ضرورت نہیں!"

فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو شاید پسند نہیں کرتی۔ دفعتہً فریدی نے نادر سے سوال کیا "آپ ایئر فورس میں ہیں۔!"

"ہوں نہیں بلکہ تھا! ونگ کمانڈر سے جھگڑا ہو گیا تھا اس لیے اُس نے بعض فرضی معاملات میں پھنسا کر برخواست کرا دیا۔ لیکن کیا آپ نے یہ سوال اس لیے کیا ہے کہ قاتل نے فرار کے لیے پیراشوٹ استعمال کیا تھا۔"

"آپ ان کی روانگی کے بعد کہاں کہاں رہے۔!"

"اوہ... یہ تو براہ راست الزام والی بات ہوئی۔!"

"میرے سوال کا جواب دیجئے۔!"

"میں یہیں شکوہ آباد میں رہا ہوں۔ ایک گھنٹے کے لیے بھی باہر نہیں گیا۔ واضح ثبوت پیش کر سکوں گا۔"

"لیفٹننٹ داور کیسا آدمی ہے؟"

اس سوال پر نادر نے اپنے شانے سکوڑے اور پھر انہیں ڈھیلا چھوڑ کر بولا! "میں تو ہر ایک کو اچھا سمجھتا ہوں کرنل صاحب!"

"نہیں! وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔" نذرہ خاتون نے کہا! میں تصوّر بھی نہیں کر سکتی! وہ بیچارہ تو دوسرے ہی دن اُن سے اپنے باپ کے رویئے پر معافی مانگنے آیا تھا۔!"

"آپ نے اس کا تذکرہ بھی مجھ سے نہیں کیا!" نادر بولا!

"ضرورت نہیں سمجھی تھی!" نذرہ خاتون نے سخت لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں میری موجودگی بھی ضروری نہیں ہے!" نادر نے کہا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا خیال ہے کہ آپ اپنے بیٹے سے ناراض ہیں!" فریدی نے کہا۔

"میں اُس سے نفرت کرتی ہوں۔"

"اُوہ۔!" فریدی نے جیرت ظاہر کی۔

"اور اس لیے نفرت کرتی ہوں کہ وہ بھی اُس سے سخت متنفر تھے۔ انہوں نے اس کے لیے کیا نہیں کیا۔ لیکن یہ باپ تو کیا سمجھتا کبھی ایک ہمدرد انسان کی حیثیت سے بھی اُن کی قدر نہیں کی۔!"

"بڑی عجیب بات ہے۔!"

"ایک آنسو بھی تو اس کی آنکھ سے نہیں ٹپکا تھا! اگر آپ اس کے اور اُن کے تعلقات کے بارے میں مزید معلوم کرنا چاہتے ہوں تو ہمارے ملازم شیر گل سے پوچھیے۔"

"تو آپ کو یقین ہے کہ نادر صاحب اس دوران میں یہیں رہے ہیں!"

"میں نہیں جانتی۔ وہ یہاں رہتا ہی کب ہے۔"

"پھر کہاں رہتے ہیں۔!"

"یہ بھی شیر گل ہی سے پوچھ لیجئے گا!"

"کیا ان کا آپس میں جھگڑا بھی ہوتا تھا!"

"نہیں...! اس کے باوجود بھی دونوں کے درمیان تناؤ رہتا تھا!"

"آخر کس بنا پر۔!"

"وہ اسے ایک شریف آدمی دیکھنا چاہتے تھے۔!"

"ہاں آپ داور کے بارے میں بتا رہی تھیں کہ وہ معافی مانگنے آیا تھا۔"

"جی ہاں۔ وہ داور کو بہت پسند کرتے تھے۔ بچپن ہی سے وہ اُن سے مانوس تھا اور اپنے گھر والوں سے چھپ چھپ کر یہاں آیا کرتا تھا۔ دراصل انہیں باغبانی کا شوق تھا۔ اور داور کو بھی اس سے لگاؤ تھا وہ اُن سے پودوں کی پیوند کاری سیکھتا تھا۔ گھر والوں سے چھپ کر اس لیے آتا تھا کہ وہ بڑے لوگ ہیں اور اُن کی دانست میں یہ

ایک گھٹیا کام ہے جو نچلے ہی طبقے والوں کے لیے موزوں ہے!"

"وہ غالباً چھٹی پر ہے ان دنوں!"

"جی ہاں۔ اس دوران میں کئی بار آچکا ہے! میرا مطلب ہے اُن کی روانگی سے قبل!"

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں!" اب اجازت دیجئے!" فریدی اُٹھتا ہوا بولا۔ "ہاں یہ شیر گل کہاں ملے گا۔"

"کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے ملحق کوٹھری میں رہتا ہے۔ کئی دنوں سے بیمار ہے! اُسے اس حادثے سے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ آٹھ سال کی عمر سے ہمارے ساتھ ہے... وہ ہمارے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔"

گویا جوان آدمی ہے۔!"

"جی ہاں۔ زیادہ سے زیادہ بیس سال کا ہوگا۔!"

فریدی وہاں سے اُٹھ کر شیر گل کی کوٹھڑی کی طرف آیا۔ وہ دروازے کے سامنے ہی چارپائی پر بیٹھا کھانس رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر اُٹھ گیا۔

"فرمایئے جناب!" اُس نے بڑے ادب سے کہتے ہوئے چارپائی چھوڑ دی

"نادر صاحب کہاں ہیں؟"

"جی۔ ابھی تو آئے تھے۔ چلے بھی گئے۔!"

"آپ انذر سے دریافت فرمالیجئے جناب!"

"بیگم صاحبہ نے اس سلسلے میں تمہارا نام لیا تھا!"

"مم۔ میرا نام...!"

"میں دراصل تمہارے مالک کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں دارالحکومت سے آیا ہوں..."

دفعتہً فریدی نے محسوس کیا کہ اس حوالے پر اُس کے چہرے پر مُردنی چھا گئی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکو گے۔!"

"یہاں تو آپ کو بٹھانے کے لیے کچھ نہیں ہے!"

"اس کی پروا نہ کرو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے مالک نے یہ سفر تنہا نہیں کیا تھا۔ کون تھا اُن کے ساتھ۔!"

"میں نہیں جانتا جناب۔ اس بار وہ مجھے اپنے ساتھ ریلوے اسٹیشن نہیں لے گئے تھے۔ بیگم صاحبہ سے معلوم ہوا تھا کہ کسی کے ساتھ جا رہے ہیں۔ لیکن شاید وہ بھی نہ جانتی ہوں کہ ساتھی کون تھا۔"

"ہاں۔ انہیں بھی معلوم نہیں...!"

"صاحب ایسے ہی تھے جس معاملے کو ظاہر نہ کرنا چاہتے اُس کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی۔"

"جانے سے قبل ان کا کسی سے جھگڑا ہوا تھا۔"

"جی ہاں۔ خان ناصر خاں سے تکرار ہو گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اُن کے ملازموں نے ہمارے تین مویشی چُرا لیے ہیں!"

"اِس پر خان ناصر کا لڑکا داور برہم ہو گیا تھا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جناب۔ خان داور تو ان کا باپ کی طرح احترام کرتے تھے۔ کسی نے آپ کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے پوچھا تھا نادر صاحب سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔!"

"اُن کا کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہے۔ قریباً دو سال سے وہ اس حویلی کی چھت کے نیچے نہیں سوئے۔"

"کرتے کیا ہیں۔ ہوائی فوج سے تو چھٹی ہو گئی تھی!"

"میں نہیں جانتا کیا کرتے ہیں!"

"شیر افگن سے کیسے تعلقات تھے۔!"

"بیگم صاحبہ سے معلوم فرمائیں جناب!"

"انہوں نے کہا ہے شیر گل مجھ سے زیادہ بہتر طور پر بتا سکے گا!"

شیر گل طویل سانس لے کر رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"بس ایسے ہی تعلقات تھے کہ اُن کے قتل کی خبر سُن کر بُرا سا منہ بنایا تھا اور بولے تھے ڈیڑھ بالشت کا آدمی نوگزی طوائفیں تلاش کرتا پھرے گا تو اور کیا ہو گا۔ مارے گئے ہوں گے کسی بھڑوے کے ہاتھوں۔! اور پھر مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کرتے رہے تھے کہ صاحب عیاشی کی خاطر شکوہ آباد سے باہر جاتے رہتے ہیں!"

"ہوں۔ اور وہ خود اس دوران میں یہیں رہا تھا۔!"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا یہاں تو کبھی کبھار آتے ہیں!"

"یہ بات انھوں نے کب کہی تھی۔!"

"کل شام کو۔!"

"پرسوں بھی یہیں تھا۔!"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا!"

"اس کی تصدیق کہاں سے ہو سکے گی کہ شیر افگن صاحب کی روانگی کے بعد سے وہ یہیں رہا ہے۔!"

"پروفیسر مُلیٹھی۔ اوہ پروفیسر خلجی ہیں ایک صاحب... نادر میاں کا زیادہ تر وقت انہی کے ہاں گذرتا ہے یا ان کی صاحبزادی کے ساتھ۔ بہت دنوں سے وہ لوگ اُس بوٹی کی تلاش میں ہیں جس سے سونا بن جاتا ہے...!"

"فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں اور شیر گل کچھ دیر خاموش رہ کر بولا" ان کی صاحبزادی اور نادر میاں کے بڑے چرچے ہیں شکوہ آباد میں۔ میرے صاحب کو نادر میاں کی یہی باتیں پسند نہیں تھیں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دونوں کے درمیان اس سلسلے میں جھگڑے بھی ہوتے رہے ہوں گے!"

"جی نہیں! میرے صاحب نے کبھی کوئی بات اُن کے منہ پر نہیں ڈالی۔ لیکن شدت سے متنفر تھے۔ ارے وہ تو سوتیلے باپ تھے۔ خود بیگم صاحبہ اُن کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں ہیں!"

"تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ ان کا قاتل کس طرح فرار ہوا تھا!"

"جی ہاں! میں نے اخبارات میں تفصیل دیکھی تھی۔"

"پیراشوٹ کا استعمال وہی کر سکتے ہیں۔ جنھوں نے اس کی باقاعدہ طور پر ٹریننگ لی ہو۔!"

"میں سمجھ رہا ہوں آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں پھر بھی پڑھنے کا شوق ہے اور کچھ نہ کچھ پڑھتا ہی رہتا ہوں۔ نادر میاں اپنی ماں کی موت سے پہلے صاحب کی املاک پر قابض نہیں ہو سکتے! لہٰذا وہ ایسی حماقت کیوں کرنے لگے۔ یا پھر وہ اتنے ہی سنگدل ہوں گے کہ کچھ دنوں کے بعد ماں کو بھی زہر دے دیں۔ اور پھر صاحب کے ایک سوتیلے بھائی بھی تو ہیں۔ ان کی موجودگی میں بیگم صاحبہ کو صرف اتنا ہی ملے گا جتنا ان کا حق ہے۔"

"ظاہر ہے!" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"اور ان کے حصّے کا ہرگز اتنا نہیں ہو سکتا جس کے لیے نادر میاں ایسا کوئی قدم اُٹھائیں!"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ تم بہت ذہین ہو۔!"

"مجھے بھی نادر میاں اچھے نہیں لگتے۔ لیکن میں خدا لگتی کہوں گا۔"

"غالباً پندرہ دن پہلے یہاں کچھ دھماکے ہوئے تھے!"

"جی ہاں۔ ہوئے تو تھے۔۔"

"میرا خیال ہے کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے تھے!"

"نہیں جناب۔۔۔ زخمی تو کوئی نہیں ہوا۔ کچھ پتا ہی نہ چل سکا کہ دھماکے کرنے والے کیا چاہتے تھے۔"

"کیوں؟"

"وہ ساری عمارتیں خالی تھیں جن میں دھماکے ہوئے تھے؟"

"بڑی عجیب بات ہے؟" فریدی نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "لیکن گرفتاریاں تو ہوئی تھیں۔۔۔؟"

"جی ہاں!" شیر گل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"شیر افگن صاحب نے داور کے باپ کی توہین کی تھی۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنا غم و غصہ ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اور اپنی اسی فطرت کی آڑ میں بڑے سے بڑا جرم کر جاتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ ہر طرح کے لوگ ہیں دنیا میں۔ لیکن نہ جانے کیوں میں داور صاحب کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتا!"

"کوئی خاص وجہ۔!"

"آٹھ دس سال کی عمر سے اُن کو دیکھتا آ رہا ہوں۔ اُن کے ظاہر و باطن میں کبھی کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں کیا۔!"

"پچھلی بار وہ یہاں کب آیا تھا۔!"

"میرا خیال ہے کہ اس بار تو نہیں آئے۔ لیکن نہیں ٹھہریئے۔۔۔ جی ہاں صرف ایک بار آئے تھے۔ اس کے دوسرے دن۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ جب صاحب کا ان کے باپ سے جھگڑا ہوا تھا اُس کے دوسرے دن۔ اور میری موجودگی ہی میں اپنے باپ کے رویے پر شرمندگی ظاہر کی تھی۔"

"بڑی غیر فطری سی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اب آپ جو چاہیں تصوّر فرمائیں۔ میں نے تو جو دیکھا تھا عرض کر رہا ہوں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا تو پھر کسی ایسے دشمن کی نشاندہی کرو۔ جو تمہاری دانست میں اس حد تک جا سکتا ہو۔؟"

"ان کا کوئی ایسا دشمن نہیں تھا۔!"

"ہو سکتا ہے۔ ناصر خان نے اس سلسلے میں کسی اور سے مدد لی ہو۔ شکوہ آباد میں صرف یہی دو عدد ٹربنڈ افراد تو نہ ہوں گے۔!"

"اس کے بارے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ ویسے ناصر خان بہت زیادہ بھڑک اٹھے تھے۔"

"کوئی ایسا آدمی جو ٹربنڈ بھی ہو اور ناصر خان سے قریب بھی۔!"

"میں ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتا جناب۔۔!"

"بہت شکریہ بشیر گل۔ تم سے بڑی مدد ملی ہے!"

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں جناب۔!"

فریدی نے اپنی گاڑی پھاٹک کے باہر کھڑی کی تھی۔۔۔ وہاں سے اپنے ہوٹل واپس آیا اور فون پر ایس۔ پی شہباز کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

"میں کئی بار رنگ کر چکا ہوں!" شہباز کی آواز آئی "تازہ ترین اطلاع ہے کہ داور زری کوہ میں پہاڑی بکروں کا شکار کھیل رہا ہے۔ آپ خود دیکھیں گے یا میں اپنے آدمی بھیجوں!"

"میں خود ہی دیکھ لوں گا ویسے اگر آپ کا بھی کوئی آدمی ساتھ ہو تو بہتر ہوگا۔"

"بڑی خوشی سے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی اور خدمت ہو تو۔۔۔!"

"بہت بہت شکریہ۔۔۔ اتنا ہی کافی ہے۔! آپ تین بجے کے قریب اپنے آدمی کو یہیں بھیج دیجئے گا۔"

"بہت بہتر۔"

سلسلہ منقطع کر کے۔ فریدی نے کسی اور کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"پروفیسر خلجی سے ملنا ہے۔!" فریدی نے کہا!

"کون صاحب ہیں۔!"

"کرنل فریدی۔!"

"توقف فرمایئے۔"

فریدی انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد پوچھا گیا "کون کرنل فریدی!"

یہ پروفیسر خلجی ہی کی آواز تھی۔ بلکہ ایسا ہی لگا تھا جیسے کوئی بلی میاؤں میاؤں کرتے کرتے آدمی کی طرح بولنے لگی ہو۔

"اُوہ پروفیسر مزاج بخیر!"

"بخیر وخیر کچھ نہیں۔ میں نے پوچھا تھا کون کرنل فریدی!"

"احمد کمال فریدی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی تو نہیں ہیں!"

"شکل دیکھے بغیر یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا! مجھے نام یاد نہیں رہتے!"

"تو پھر میں آجاؤں شکل دکھانے۔!"

"اس وقت فرصت نہیں ہے۔ بکری کی جوئیں نکال رہا ہوں!"

"کب فرصت ہوگی!"

"اس کے بعد۔!"

"اور یہ بعد کب ہوگا۔!"

"تم جھکی ہو کیا؟" پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا!

"شکل دیکھ کر ہی فیصلہ کر سکو گے۔!"

"اچھا تو آجاؤ۔ میں بکری سے معذرت طلب کر لوں گا!"

"کیا عمر ہے بکری کی۔۔۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہی دوڈھائی سال!"

"بہت اچھا میں آرہا ہوں۔!"

فریدی نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجی اُس نے پھر ریسیور اُٹھایا۔

"تھرٹین! سر" دوسری طرف سے آواز آئی "گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے بونٹ اٹھا کر دیکھ لیجئے گا۔ بی ایون اُس شخص کا تعاقب کر رہا ہے جس نے گاڑی میں کوئی گڑبڑ کی تھی۔!"

"شکریہ بی تھرٹین۔" کہہ کر فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔ اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر ڈائننگ ہال میں آیا۔ وہاں کافی پی اور سگار سلگا کر اُٹھ گیا!

گاڑی کے قریب آیا۔ بونٹ اُٹھا کر دیکھا! سلف اسٹارٹر کے کھوکھے پر میگنیٹک شیل والا ایک چھوٹا سا بم چپکا ہوا تھا اور اُسے ایک تار کے ذریعے اسٹارٹر کے تار سے منسلک کر دیا گیا تھا! اس کا یہ مطلب تھا کہ گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی ایک زبردست دھماکا ہوتا پھر گاڑی رہتی اور نہ اسٹارٹ کرنے والا۔

فریدی نے سگار زمین پر ڈال کر جوتے سے رگڑ دیا اور اسٹارٹر سے بم الگ کرنے لگا! اور پھر ذرا ہی سی دیر میں اُسے ناکارہ کر کے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تھا!

اور اَب لینڈ رور پروفیسر خلجی کے ٹھکانے کی جانب رواں دواں تھی! سگار فریدی کے ہونٹوں میں دبا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو...

تھوڑی دیر بعد اُس نے ڈیش بورڈ پر ایک بٹن دبایا۔ سائیں سائیں کی آوازیں آنے لگیں اور اُس نے اُونچی آواز میں کہا۔ "ہیلو۔ بی ایون... بی ایون... ہارڈ اسٹون کالنگ۔!"

"بی ایون سر!" ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔

"کیا تعاقب جاری ہے...!"

"مجھے افسوس ہے جناب کہ وہ مجھے دھوکا دے گیا! بازار زرگراں میں ایک جگہ اُس

نے گاڑی روکی تھی اور اُتر کر ایک دوکان میں داخل ہوا تھا! پھر سُراغ نہیں مل سکا! گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا ہے!"

"فکر نہ کرو۔ دیکھا جائے گا۔!" فریدی نے کہا اور دوسرا بٹن دبا کر ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

پروفیسر خلجی کا بے ہنگم سا بنگلہ ایک ویران سے ٹیلے پر واقع تھا بنگلے تک پہنچنے کے لیے پروفیسر نے ایک چکر دار سڑک بنوائی تھی جس پر ایک وقت میں صرف ایک ہی گاڑی چل سکتی تھی۔

پروفیسر سچ مچ ایک بکری کی جوئیں تلاش کرتا ہی دکھائی دیا۔ عمارت کے باہر ایک درخت کے نیچے بکری کو دبوچے بیٹھا تھا! خاصا لحیم شحیم آدمی تھا! بال بکھرے ہوئے آنکھوں میں وحشت اور ہونٹوں میں عجیب طرح کا کھنچاؤ پایا جاتا تھا۔ فریدی پر نظر پڑتے ہی بکری کو چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا...

زور سے قہقہہ لگایا اور بولا! "اوہو تو ناریل صاحب ہیں..."

"مجھے یقین تھا کہ تم مجھے بھولے نہ ہوگے۔!"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!" وہ جھپٹ کر مصافحہ کرتا ہوا بولا "بکریوں کی جوئیں بھی میری پیدا کردہ ہیں خاص قسم کی جوئیں ایک خاص قسم کی بوٹی کھلا کر پیدا کی ہیں!"

"ان جوؤں کا کیا کرو گے۔!"

"ساری دنیا کی بکریوں میں پھیلاؤں گا۔ اور پھر وہ دوا بازار میں بھیجوں گا جس سے ان جوؤں کا خاتمہ ہو سکے گا!"

"خیال اچھا ہے..."

"اس سے بھی زیادہ اچھے خیالات میرے ذہن میں محفوظ ہیں!"

"کیا تم مجھے اندر لے جا کر بٹھاؤ گے بھی نہیں۔!"

"ارے ہاں... وہ تو میں بھول ہی گیا۔ مہمانوں کو بٹھاتے بھی ہیں... آؤ... آؤ...!"

ڈرائینگ روم کیا تھا اچھا خاصا باغیچہ تھا۔ جگہ جگہ گملے رکھے ہوئے تھے جن میں بھانت بھانت کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اور دیواروں پر طرح طرح کی بیلیں رینگ رہی تھیں!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم میں ذرّہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی پروفیسر۔" فریدی نے کہا!

"اور کیا تم میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے ناریل صاحب!..."

"نہیں مجھ میں بھی نہیں ہوئی۔!"

"ہاں... اب مجھے کہنا چاہیئے کہ تشریف رکھیئے جناب!" پروفیسر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"یہی کہنا چاہیے! بہت بہت شکریہ پروفیسر...!" فریدی ایک صوفے پر سے کسی قسم کی گھاس کا چھوٹا سا گٹھڑ ہٹا کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں!..."

"ایک قتل ہو گیا ہے! دارالحکومت میں۔ یہیں کا باشندہ تھا۔ شیر افگن!"

"ہاں تھا تو۔ پھر میں کیا کروں!..."

"میں نے سنا ہے کہ اس کی بیوی کا بیٹا نادر تمہارے گہرے دوستوں میں سے ہے!"

"ہاں ہے تو... اسے بھی جڑی بوٹیوں سے دلچسپی ہے!"

"کیا وہ پچھلے ایک ہفتے سے اب تک یہیں رہا ہے۔!"

"یہاں کیوں رہتا۔ کیا یہ اس کے باپ کا گھر ہے...؟"

"نہیں میرے باپ کا گھر ہے اس لیے وہ یہاں رہ سکتا ہے!" دفعتہً بائیں جانب سے ایک چیختی ہوئی سی نسوانی آواز آئی۔

فریدی اُٹھ گیا۔ شاید یہ پروفیسر کی بیٹی رضوانہ تھی۔ بہت چھوٹی سی تھی جب فریدی نے اسے دیکھا تھا۔ اب تو پہاڑ ہو گئی تھی۔ باپ ہی کا سا ڈیل ڈول پایا تھا۔ خطوط دلاویز تھے۔ لیکن آنکھوں میں باپ ہی کی سی آنکھوں کی وحشت پائی جاتی تھی۔ بڑے بڑے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور اس نے ہپی لڑکیوں سی وضع اختیار کر رکھی تھی۔!

"یہ... یہ بابونہ ہے...!" پروفیسر نے تعارف کرایا اور مسٹر ناریل۔ انہوں نے اپنا نام فون پر کچھ اور بتایا تھا لیکن ہیں۔ انہیں ناریل کے نام سے یاد رکھتا ہوں۔!"

"اور رضوانہ کو بابونہ بنا دیا ہے!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"شاید میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے!" رضوانہ بولی۔

"بہت چھوٹی سی تھیں تم جب مجھے ایک ماہ کے لیے جڑی بوٹیوں سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ اور میں پروفیسر کے ساتھ یہاں کے جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا تھا۔"

"آپ شاید نادر کے بارے میں کچھ پوچھ رہے تھے! مجھ سے پوچھئے وہ میرا دوست ہے!"

پروفیسر ایک طویل سانس لے کر دھم سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پچھلے ہفتے سے اب تک وہ کہاں کہاں رہا ہے!"

"پچھلے ہفتے سے اب تک ہر رات اس نے یہیں گذاری ہے! لیکن ڈیڈی کو اس کا علم نہیں۔ رات کو اس کے لیے لائبریری میں پلنگ ڈلوا دیا جاتا ہے اور وہ رات گئے تک کتابوں میں کھویا رہتا ہے۔"

"مجھے کیوں علم نہیں ہے!" پروفیسر زور سے چیخا!

"ضروری نہیں ہے کہ اس وسیع کائنات میں واقع ہونے والی ہر بات کا علم آپ کو ہو۔ آپ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ آپ کا دل اس وقت کس رفتار سے دھڑک رہا ہے!"

"تم نے دیکھا!" دفعتہً پروفیسر خوش ہو کر بولا! "بابونہ کتنی عقلمند ہے!"

"تمہاری ہی بیٹی ہے۔!" فریدی نے مسکرا کر کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا!

"ہاں تو وہ لائبریری میں سوتا ہے!"

"جی ہاں۔ اور اس نے شیر افگن کے قتل کی خبر سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ اس پر ضرور شبہ کیا جائے گا!"

"اوہو۔ لیکن شبہے کی بھی کوئی معقول وجہ ہوتی ہے۔!"

"قاتل کے فرار کا طریقہ۔ اس نے پیراشوٹ استعمال کیا تھا۔ اور وہ ٹریسنڈ قسم کا پیراٹروپر ہے!"

"لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس دوران میں شکوہ آباد سے باہر نہیں گیا تو شبہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!"

"آپ دارالحکومت سے آئے ہیں۔ اور آپ نے فون پر اپنا نام کرنل فریدی بتایا تھا!"

"جی ہاں۔!"

"ایس۔ پی شہباز کے آدمی بھی یہاں آکر اُس کے بارے میں پوچھ گچھ کر چکے ہیں!"

"نادر صاحب اس وقت کہاں ہیں میں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں!"

"اس وقت پتا نہیں کہاں ہوگا۔ لیکن شام تک ضرور آئے گا۔ رات یہیں بسر کرتا ہے۔ دراصل ہم دونوں ایک خاص قسم کی بوٹی کی تلاش میں ہیں!"

"وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔ اس کا کوئی وجود نہیں ہے!" پروفیسر سخت لہجے میں بولا۔

"کس بوٹی کا ذکر ہے!" فریدی نے پوچھا!

"سونی بوٹی کا جس سے سونا بن جاتا ہے۔!" پروفیسر بولا۔ اور بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا!

"چیتے کی کھال والی جلد کی قلمی کتاب میں اُس کا ذکر موجود ہے!" رضوانہ نے کہا۔

"بکواس ہے! بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے بعض چالاک قسم کے پڑھے لکھے لوگ اس قسم کی ہوائیاں چھوڑ دیا کرتے تھے!"

"نادر کا ذریعۂ معاش کیا ہے۔؟" فریدی نے رضوانہ سے سوال کیا۔

"میں نہیں جانتی! لیکن اس کی جیب کبھی خالی نہیں دیکھی!"

فریدی نے جیب سے سگار نکالا ہی تھا کہ پروفیسر ہاتھ اُٹھا کر بولا "یہاں نہیں! بعض پودے تمباکو کا دھواں برداشت نہیں کر سکتے!"

"آپ میرے کمرے میں چلئے۔!" رضوانہ بولی۔

"کیوں نہ لائبریری میں چلیں۔ میں بھی وہ قلمی نسخہ دیکھنا چاہتا ہوں جس کا ذکر ابھی آپ نے کیا تھا!"

"ضرور ضرور۔!"

فریدی اُٹھ گیا۔ پروفیسر جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہا۔ اُس نے اس پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا کہ رضوانہ اُسے لائبریری میں لے جا رہی ہے۔

لائبریری بھی کباڑ خانہ ہی ثابت ہوئی... الماریوں پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔

"یہ پھر پلنگ یہیں چھوڑ گیا!" رضوانہ پیر پٹخ کر دھاڑی "کتنی بار کہا ہے کہ صبح پلنگ یہاں سے ہٹا دیا کرو۔ آپ دیکھ رہے ہیں بستر تک نہیں لپیٹا... میں تنگ آگئی ہوں اس شخص سے۔ یہ دیکھئے تین تین ایش ٹرے رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن سگرٹ کے ٹوٹے فرش ہی پر پھینکتا ہے!"

فریدی نے سگرٹ کا ایک ٹوٹا اٹھایا اور اُسے ناک کے قریب لے گیا! رضوانہ زور سے ہنس پڑی اور بولی "نہیں وہ چرس نہیں پیتا۔ یہ میرا شوق ہے۔ میں چرس پیتی ہوں۔!"

"پروفیسر کے علم میں ہے۔!"

"جی ہاں۔ وہ جانتے ہیں...!"

"ہوں... تو یہ نادر کا بستر ہے...!"

"جی ہاں۔ آپ سگار سُلگا لیجئے!"

"شکریہ!۔ میرا خیال ہے کہ پروفیسر نادر کو پسند نہیں کرتے۔!"

"میرے علاوہ شاید ہی کوئی اُسے پسند کرتا ہو! بات دراصل یہ ہے کہ میری حد تک وہ بے حد تک سعادت مند ہے۔ جب بھی مجھے غصہ آتا ہے پیٹ کر رکھ دیتی ہوں! خاموشی سے پٹتا رہتا ہے۔ اور پھر آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتا ہوا خاموشی سے رخصت ہو جاتا ہے!"

"شاید ماما کو ترسا ہوا ہے بیچارہ!" فریدی نے مغموم لہجے میں کہا!

"بالکل یہی بات ہے! ماں نے دوسری شادی کر لی تھی۔"

"مجھے علم ہے۔!" فریدی نے کہا اور تیز نظروں سے لائبریری کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا "ذرا دکھائیے تو... وہ کتاب۔!"

رضوانہ ایک الماری کی طرف بڑھی اور اُسے کھول کر کتابوں کی قطاروں پر نظر دوڑاتی رہی پھر مایوسانہ انداز میں بولی "شاید نادر ہی نے کہیں اور رکھ دی ہے... ہم اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کتاب کی بہت حفاظت کرتے ہیں۔ اس میں ایسی بوٹیوں کا ذکر بھی ہے جو مُردوں میں جان ڈال دیتی ہیں!"

"جب بھی ملے مجھے ضرور دکھایئے گا! اچھا اب اجازت دیجیے!"

"پھر کبھی تشریف لایئے گا! لیکن ڈیڈی آپ کو ناریل کیوں کہتے ہیں!"

"خدا ہی جانے آپ کو بھی تو بابونہ کہتے ہیں... !"

"اور خود میلھی کہلاتے ہیں!" وہ زور سے ہنس پڑی۔

واپسی پر فریدی کو ڈرائنگ روم ہی سے گذرنا پڑا تھا۔ رضوانہ وہیں رہ گئی تھی۔

اور پروفیسر اُس کے ساتھ باہر چلا آیا تھا۔

"مجھے یہ لڑکی سخت ناپسند ہے!" پروفیسر نے فریدی کی گاڑی کے قریب پہنچ کر کہا۔

"لیکن میں اُسے گولی نہیں مار سکتا!"

"ارے پروفیسر ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ آہستہ آہستہ عقل آجائے گی۔ اچھا خدا حافظ جلد ہی پھر ملاقات ہوگی اور ہم جڑی بوٹیوں پر باتیں کریں گے!"

اُس کی گاڑی پھر شہر کی طرف جا رہی تھی۔ شہباز کے آدمی کو ساتھ لے کر ندی کی طرف بھی تو جانا تھا۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ ناکارہ کیا ہوا بم اب بھی پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔

پھر وہ تینوں اُس بھیڑ میں ضم ہو گئے۔ قریباً ڈھائی درجن ہپّی رہے ہوں گے۔ ان میں دیسی بدیسی عورت مرد سبھی شامل تھے! اور آغا طاہر نے ان چھ افراد کی نشاندہی بھی کر دی تھی جو کچی افیون اور ہیروئین کا تبادلہ کرتے تھے۔

حمید نے قاسم کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ ان لوگوں پر اپنی دولتمندی کا اظہار

نہ ہونے دے۔

"اپنی کمپنی کے علاوہ اور کسی کے سامنے زبان نہ کھولنا!" حمید نے مزید مشورہ دیا۔

"آخر کیوں؟"

"پول کھل جائے گی کہ ہم بنے ہوئے ہپی ہیں۔ میری دی ہوئی سگریٹیں پھونکتے رہو! ان کے دھوئیں میں چرس کی بو شامل ہوگی۔ لیکن چرس کے اثرات سے پاک ہیں!"

"اگر دھواں حلق سے اُتر گیا۔ تو میں کھانستے کھانستے مر جاؤں گا!"

"کوشش کرو کہ حلق سے نیچے نہ اُترنے پائے!"

"ابے میں تو کہتا ہوں ختم کرو یہ چکر۔ اس سکی پکی کی وجہ سے عورتوں سے جی بھر گیا ہے!"

"میرا تو نہیں بھرا ہے!"

"آخر حمید بھائی کب آئیں گے!"

"یار وہ بات نہ پوچھو جس کا جواب میرے پاس نہ ہو!"

"اگر تم دونوں آپس میں بھی انگلش میں گفتگو کیا کرو تو کیا حرج ہے!" سکی بول پڑی۔

"عادت نہیں ہے کوشش کریں گے!" حمید نے کہا۔ اور قاسم سے انگلش میں بولا "تم دونوں مجھے بہت اچھے لگتے ہو!"

"شکریہ!" سکی مسکرائی اور پیار بھری نظروں سے قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔

"ابے قراقا خان تم خود ہی اس سے محبت کیوں نہیں کر لیتے!" قاسم نے اردو میں کہا۔

"محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی۔ اسے تم سے محبت ہو گئی ہے!"

"ہوا کرے میرے ٹھینگے سے مجھے تو نہیں ہوئی...!"

"آخر کیا برائی ہے بیچاری میں۔ اگر اس نے مجھ سے محبت کی ہوتی تو میں اسے ملکہ ہفت اقلیم بنا دیتا!"

"قرا لو اور بنا دو۔ کسی نے روکا ہے کیا!"

"محبت زبردستی نہیں کرائی جاتی!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم لوگ پھر آپس میں اپنی ہی زبان بولنے لگے اور میں بیوقوفوں کی طرح بیٹھی ہوئی ہوں۔!" سکی نے کہا۔ اب وہ کتابیں نہیں پڑھتی تھی۔ چرس کے سگرٹ بھی کم سے کم پیتی تھی۔

ہپیوں کا قافلہ شام ہوتے ہی ایک جگہ رُک گیا تھا۔ اور ان چھ ہپیوں نے جگہ جگہ نائیلون کی چھولداریاں نصب کردی تھیں جو اسمگلروں کے کارپرداز تھے۔

ایک چھولداری ان تینوں کے حصے میں بھی آئی تھی۔ لیکن وہ سب ابھی کھلے آسمان ہی کے نیچے بیٹھے ہوئے دھوئیں اُڑا رہے تھے! دفعتہً اُن چھ کارپردازوں میں سے ایک ان تینوں کے پاس آ بیٹھا۔ دراصل قاسم کا ڈیل ڈول ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔۔

"تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔" ہپی نے پوچھا!

"امریکہ سے!" حمید نے جواب دیا! "مہا گرو کرن جی کے چیلے ہیں!"

"تم دونوں تو ادھر ہی کے جان پڑتے ہو!"

"ہاں ہم دونوں امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ ایک دن مہا گرو کرن جی سے ملاقات ہوگئی اور پھر ہماری دنیا ہی بدل گئی!"

"لڑکی تو بڑی زوردار ہے تمہارے ساتھ۔!"

"اُس کی محبوبہ ہے!" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا "فاقے کر لیتا ہے لیکن اُسے پٹڑی سے نہیں اترنے دیتا!"

"شکوہ آباد سے واپس آکر کہاں جاؤ گے۔۔۔!"

"جہاں لہر لے جائے۔ اب تو ساری دنیا اپنی ہے۔۔۔!"

"سگرٹ ہو تو نکالو۔۔۔!"

حمید نے اپنے چہرے پر کرب کے آثار پیدا کرکے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چرس بھری سگرٹ نکال کر اس کے حوالے کردی۔

"اپنے ساتھی سے کہو گٹار پر کچھ سنائے۔!" اُس نے سگرٹ سلگا کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"وہ بہت تھکا ہوا ہے!" حمید نے کہا! "مجھ سے سُن لو۔!"

حمید نے ہاتھ بڑھا کر گٹار اُٹھایا۔ اور جرک اینڈ شیک بجانے لگا! وہ سب چونکے تھے اور اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ کئی لڑکیوں نے اُٹھ کر تھرکنا شروع کردیا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ سبھی اس طرف آگئے اور ان تینوں کے گرد حلقہ بنا کر تھرکنے لگے۔

ہپی اُٹھ کر کھسک گیا تھا!۔۔۔ سکی نے قاسم سے کہا "تم بھی اُٹھو۔!"

وہ تو پہلے ہی بیٹھے بیٹھے تھرک رہی تھی۔

"ابے یہ تم نے کیا شروع کردیا!" قاسم حمید کو آنکھیں دکھا کر بولا "اس طرح تو میرا باپ بھی نہیں ہل سکتا!"

لیکن حمید اپنی دھن میں مست زمزمہ زنی کرتا رہا۔

"اُٹھو نا۔!" سکی قاسم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔

"ارے باپ رے مرگیا۔۔۔!" کراہتا ہوا اٹھا اور بے ہنگم پن سے ہل ہل کر زرافاخاں کی ایسی کی تیسی کرنے لگا۔۔۔

اِدھر حمید نے میوزک کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ "قُو خان قو خاں قق قو خان۔۔" الاپنا شروع کردیا۔

"سالے جنیندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اتنے میں دو لڑکیاں حمید کی طرف جھپٹیں اور ایک نے کہا! "گٹار اسے دو۔ یہ بجائے گی۔ تم میرے ساتھ ناچو۔!"

حمید نے بڑی سعادت مندی سے اس کا کہنا مان لیا۔۔۔ بس ذرا سی دیر کے لیے میوزک بند ہوا تھا اور وہ سب لڑکھڑانے لگے تھے۔ لڑکی نے پھر سنبھال لیا۔ اِدھر حمید کی پارٹنر بڑی جوشیلی ثابت ہو رہی تھی۔ بار بار اُس سے ٹکرا جاتی تھی اور زور سے قہقہہ لگاتی۔ خاصی جاندار تھی اور ہنستے وقت گالوں میں گڑھے پڑ جاتے تھے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔۔۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حمید نے بھی وہ اُچھل کود مچائی کہ خود اُسے بھی اپنے اُوپر حیرت ہونے لگی۔۔!

"تم بہت پھرتیلے ہو۔" ہم رقص بولی۔

"قراقا خان نام ہے۔۔۔ تم کون ہو۔!"

"میں میگی ہوں۔۔۔ میرا پارٹنر بیمار ہو گیا ہے۔ اُس کے لیے کچھ مدد کردو۔!"

"ضرور۔ ضرور۔۔ بڑی خوشی سے ابھی کردوں گا مدد۔!"

"وہ مر ہی جائے تو بہتر ہے۔ اب اُس میں کچھ نہیں رہا۔!"

"تم تو زندگی سے بھرپور ہو۔!" حمید نے کہا

"میں زیادہ نہیں پیتی۔ میں تو دنیا دیکھنے نکلی ہوں۔!" "تمہارا ساتھی دیو۔ معلوم ہوتا ہے۔۔۔ ارے لو۔۔۔ وہ تو بیٹھ ہی گیا۔!"

"پہاڑ ہے۔ اپنی پارٹنر کے کہنے سے کھڑا ہو گیا تھا۔۔۔!"

اُدھر قاسم دھڑ سے لیٹ بھی گیا۔ ساتھ ہی کہتا جا رہا تھا "اللہ میاں ابکے ماف قر... اب ایسی گلتی نہیں ہوگی۔۔۔ ارے باپ رے یہ پیٹ میں قیا چیز اینٹھ رہی ہے۔!"

"ارے ارے یہ تمہیں کیا ہو گیا!" رسکی اُس پر جھکتی ہوئی بولی۔

"میرے پیٹ میں کچھ ہو گیا ہے!" قاسم کراہتا ہوا بولا "مجھے ناچنے کودنے کی عادت نہیں ہے۔!"

"معافی چاہتی ہوں جان۔۔۔ مجھے معاف کردو۔ اس کا دھیان ہی نہیں رہا تھا مجھے"

"سالی جان بھی جلائے گی۔!" قاسم اُردو میں بڑبڑایا۔

"اُٹھو۔ اُٹھ جاؤ۔۔۔ چلو کہیں دور چل کر بیٹھتے ہیں۔!"

"پیٹ کے اندر والی چیز سیدھی ہو جائے تو اُٹھوں۔۔۔!"

"کیا ہے پیٹ میں۔!"

"بھینس کا بچہ!" قاسم جھنجھلا کر بولا

"ہاں کہتی ہوں جان مجھے معاف کردو غصہ نہ کرو۔!"

"اچھا اچھا چپ رہو تھوڑی دیر۔!"

وہ اس کے پاس ہی بیٹھ کر اُسے پُر تشویش نظروں سے دیکھنے لگی۔ قاسم دل ہی دل میں قراقا خان اور حمید دونوں کو گالیاں دینے لگا۔ پھر اُس کی نظر حمید کی ہم رقص پر پڑی اور وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا "خدا قرے وہ تمہیں ہیضہ ہی کرادے"

"کیا کہہ رہے ہو!" رسکی نے پوچھا۔

"کچھ کہہ نہیں رہا ہائے ہائے کر رہا ہوں!" قاسم جھلا کر بولا۔

"میری وجہ سے تمہیں بڑی تکلیف پہنچی۔"

دفعتہً گٹار بند ہو گیا۔ اور حمید کی ہم رقص ہنستی ہوئی بیٹھ گئی اور حمید نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔

"مزہ آگیا۔ بڑی روکھی پھیکی گذر رہی تھی!" میگی نے کہا۔ "چرس ہماری زندہ دلی بھی پی گئی ہے!"

"یہ سمجھتی ہو تو ترک ہی کر دو نا۔۔۔!"

"میں صرف دنیا دیکھنے نکلی تھی۔ اُس کی صحبت میں پینے لگی۔ اُس کے پھیپھڑے تو جواب دے چکے ہیں۔ ہر وقت کھانستا رہتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ کچھ مدد کردو۔"

حمید نے دس دس کے پانچ نوٹ نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیئے!

"زندہ دل ہی نہیں فیاض بھی ہو۔ اندھیرا پھیلنے دو۔۔۔ میں آجاؤں گی!"

"اس کی ضرورت نہیں۔ میں صرف زندہ دل ہوں۔ اور فیاضی کا معاوضہ کبھی طلب نہیں کیا۔!"

"نروان کی تلاش میں ہو۔۔۔!"

"نہیں۔۔۔! نروان خود مجھے کہیں تلاش کرتا پھر رہا ہوگا۔ اب جاؤ اور اپنے پارٹنر کی دیکھ بھال کرو!"

وہ مزید شکریہ ادا کر کے اُس کے پاس سے ہٹ گئی۔ حمید قاسم کے پاس آیا۔ وہ اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی اُسی طرح لیٹا کراہے جا رہا تھا!

"ارے۔ ارے... یہ کیا ہو رہا ہے!" حمید نے پوچھا!

"اِسے نفرت قرار دیا ہوں اپنے سے۔!"

"اسے پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔" سکی بولی! "کہتا ہے پیٹ میں کوئی چیز اینٹھ رہی ہے۔"

"زندہ چھپکلیاں کھا گیا ہو گا!"

"اُوغ۔!" قاسم نے زوردار اوبکائی لی اور اُٹھ بیٹھا! سکی اُچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

"میں کسی کو قے کرتے نہیں دیکھ سکتی تم اسے سنبھالو!" سکی نے کہا اور دوڑتی ہوئی اپنی چھولداری کی طرف چلی گئی۔

قاسم پچ پچ قے کرنے لگا تھا... دور دور تک اُس کے ڈکرانے کی آوازیں گونج رہی تھیں اور وہ سب وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اور حمید قاسم کے پیچھے بیٹھا اُس کی گدی سہلا رہا تھا۔

"اغے... اُوغ... خدا تمہیں غارت کر دے...!"

"میں نے کیا کیا ہے...!"

"چوپ راؤ... سالے!"

بڑی مشکل سے قاسم نے اپنی طبیعت پر قابو پایا تھا! حمید اُسے سہارا دے کر چھولداری تک لایا۔ اور ایک کنارے لٹا دیا۔

"اَب کیا ہو گا!" سکی گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔ مرا تو نہیں جا رہا...!" حمید نے کہا۔

"ابے مرو تم۔!" قاسم ہاتھ ہلا کر بولا "سالے گیٹار بجا رہے تھے!"

اور حمید کو گیٹار کا خیال آ گیا۔ کہاں گیا گیٹار... اوہ کہیں وہ لڑکی تو نہیں پار کر لے گئی۔ چھولداری سے نکل کر دوسری چھولداریوں کی طرف چل پڑا۔ گیٹار وصول ہی کرنا تھا۔

اوّل درجے کے چور ہوتے تھے۔ اگر کوئی چیز ان کے قبضے میں چلی جائے تو پھر اُس کی واگذاری کارے دارد۔!"

بہر حال حمید گیٹار سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا تھا! فی الحال وہی تو ایک دل بہلانے والی چیز تھی۔ میگی سے پہلے ملاقات ہوئی اور حمید نے اُس سے گیٹار کے بارے میں استفسار کیا۔

"اوہ شاید ہلدا لے گئی۔ وہی جو بجا رہی تھی۔ تمہیں فوراً ہی اُس سے لے لینا چاہیے تھا!" میگی نے کہا! "اُس نے اپنا گیٹار فروخت کر دیا تھا۔ شاید ہی واپس کرے اس کا ساتھی خطرناک آدمی ہے۔!"

"تم اس کی فکر نہ کرو کہ وہ کتنا خطرناک ہے! بس تم مجھے ان لوگوں تک پہنچا دو!"

"ویسے ہو سکتا ہے کہ اس کا ساتھی کسی معقول رقم کے عوض تمہارا گیٹار واپس کرا دے۔"

"دیکھا جائے گا۔ تم آگے تو بڑھو!"

وہ اُسے اُس جگہ لے آئی جہاں کئی ہپی آگ روشن کئے ہوئے اُس کے گرد بیٹھے تھے۔ اُن میں دو ہپی کارپردازوں میں سے بھی تھے... ہلدا گیٹار کو گود میں رکھے اس طرح سہلا رہی تھی جیسے کسی شیر خوار بچے کو سُلانے کی کوشش کر رہی ہو۔ حمید اُس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہے؟" اس نے تنک کر پوچھا!

"میرا گیٹار واپس کرو...!"

"یہ تو اَب میرا ہے!" وہ ہنس پڑی۔

"بھلا وہ کس طرح!"

"اس طرح کہ میرے قبضے میں...!"

"واپس نہیں ملے گا۔ جاؤ۔!" ایک سفید فام ہپی ہاتھ ہلا کر بولا۔

کارپرداز ہپیوں میں سے ایک بولا۔ "جاؤ یار بات نہ بڑھاؤ۔!"

"اس میں بات بڑھانے کی کیا بات ہے! میں اپنا گیٹار واپس مانگ رہا ہوں!"

"دیا کیوں تھا۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کی ساتھی لڑکی نے میرے ساتھ ناچنے کی فرمائش کی تھی۔ اور گیٹار یہ مجھ سے لے کر بجانے لگی تھی!"

"تمہیں نہیں دینا چاہیئے تھا!"

"میں وصول کرلوں گا۔ روہیلہ پٹھان ہوں۔"

"جھگڑا کرو گے...!"

"یقیناً... اور مجھے اُمید ہے کہ تم دونوں ان کا ساتھ نہیں دو گے کیونکہ تم بھی پٹھان معلوم ہوتے ہو۔!"

اُس نے اپنے ساتھی کو اُٹھنے کا اشارہ کیا... اور پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔

ہلدا کا ساتھی حقارت آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ حمید کو دیکھے جا رہا تھا...

"میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ گیٹار واپس کردو۔!"

"ہمت ہو تو لے لو۔!" ہلدا کا ساتھی اُٹھتا ہوا بولا۔ حمید اس طرح جھکا جیسے ہلدا سے گیٹار چھین لے گا۔ دوسرے ہی لمحے میں غیر مُلکی ہپّی نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن حمید گیٹار کے لیے تو نہیں جھکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دوسرے لمحے میں کیا ہونے والا ہے... لہٰذا بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر ہپّی کی پیشانی پر زوردار ٹھوکر رسید کی۔! وہ تیورا ہو کر ڈھیر ہو گیا!... دوسرے ہپّی بھی اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن الاؤ کی روشنی میں انہوں نے ایک لمبے پھل والے چاقو کی چمک دیکھی۔!

حمید چاقو لہرا کر بولا۔ "اسے تو ایک گھنٹے سے پہلے ہوش نہیں آئے گا۔ اگر تم سے کوئی موت کا مزا چکھنا چاہتا ہو تو آگے بڑھے۔ لیکن وہ جہاں تھے وہیں کھڑے رہے...

ہلدا چیخ چیخ کر حمید کو گالیاں دے رہی تھی۔ پھر اُس نے گیٹار اُس پر کھینچ مارا۔ حمید غافل نہیں تھا! اس نے نہایت آسانی سے اُسے بائیں ہاتھ سے روک کر پکڑ لیا۔ پھر اُس نے بڑی خوشدلی سے "شب بخیر" کہا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ میگی اور دونوں کار پردازہپّی جو دور کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جھپٹ کر حمید کی طرف آئے...

"یار واقعی بات کے پکے ہو!..." ان میں سے ایک بولا۔

"اگر غصّہ نہ آجائے تو بیحد شریف اور امن پسند آدمی ہوں!"

"چلو... چلو... یہاں سے چلو...!" میگی اُس کا بازو پکڑ کر بولی۔

حمید اُس کے ساتھ چل پڑا۔

"بہت اچھا ہوا۔ اُس کا غرور توڑ دیا تم نے!" میگی نے کہا "ہر ایک سے چھین جھپٹ ...تار رہتا تھا۔ میرے پارٹنر کو ایک بار مار ابھی تھا!"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کہتی رہی! "میں تو ڈر رہی تھی کہ کہیں پٹ نہ جاؤ۔ شنکا گو میں اس ...تین قتل کیے تھے فخریہ بتایا کرتا ہے۔!"

"میں ہر وقت مرنے کے لیے تیار رہتا ہوں اس لیے کم ہی مار کھاتا ہوں!"

"آؤ کچھ دیر ادھر بیٹھیں...!" وہ ایک ویران جگہ پر رُکتی ہوئی بولی۔

"ضرور ضرور۔!" حمید نے کہا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں اب بھی کھلا ہوا چاقو تھا ...بائیں میں گیٹار۔

وہ وہیں بیٹھ گئے اور حمید نے چاقو بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔

"تمہارا اسٹائیل بہت شاندار تھا!" میگی بولی۔

"اسٹائیل دکھانے کا موقع ہی کہاں ملا۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا اور دوسرے اپنی جگہوں ...ہلے بھی نہیں تھے!"

"تم پہلی بار ہمارے شریک ہوئے ہو!"

"تو کیا تم بہت دنوں سے اُدھر کے ٹرپ کر رہی ہو!"

"ہاں... چھ ماہ ہو گئے۔ ہر پندرھویں دن اُدھر جاتے ہیں!"

"پکڑ دھکڑ نہیں ہوتی۔!"

"نہیں۔ بس پھر ادھر ہی دھکیل دیئے جاتے ہیں!"

"ہم تینوں کے علاوہ تم ہی اور کوئی نیا آدمی نہیں ہے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہیں کیوں نہیں۔ تمہارے علاوہ بھی پانچ آدمی اور ہیں!"

"کیا اُدھر بہت سستی چرس ملتی ہے۔"

"ہمیں تو مفت ملتی ہے اور پیسے بھی ملتے ہیں!"

"کون دیتا ہے۔!"

"وہ چھ آدمی ہیں۔ ان میں سے دو جو ہٹ گئے تھے انہی چھ میں شامل ہیں۔ وہ ہمیں اُدھر لے جاتے ہیں۔ چرس بھی دیتے ہیں اور پیسے بھی دیتے ہیں!"

"بڑی عجیب بات ہے۔! انہوں نے ہم سے تو ایسی کوئی بات نہیں کی!"

"ہر ایک سے نہیں کرتے۔ دوسرے اپنے پیسوں ہی سے خریدتے ہیں۔ مثلاً تم آدمی جیسے تم تینوں ہو۔ اور وہ پانچ آدمی۔ یہ اپنے پیسوں ہی سے خریدیں گے!"

"لیکن وہ چھ آدمی ایسا کیوں کرتے ہیں۔ انہیں اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے!"

"ہمیں اس سے کیا سروکار ہم اس کے بارے میں سوچتے ہی نہیں اپنے کام سے کام رکھتے ہیں! پہلے ہم بھی خود ہی خریدنے کے قابل تھے۔ لیکن جب مفلس ہو گئے تو انہوں نے سہارا دیا۔"

"اُوہ۔ مجھے بھی اس سے کیا سروکار۔۔۔ مجھے تو سستی چرس چاہیئے!"

"جب مفلس ہو جانا تو انہیں بتا دینا وہ تم پر بھی عنایت کریں گے!"

"حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مزید معلومات کس طرح حاصل کرے۔ اس قسم کے سوالات نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے مقصد کا اظہار ہو جائے۔ وہ بڑی معصومیت سے بات کر رہی تھی۔ لیکن کیا اُسے مقصد کا علم نہ رہا ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کھنکار کر کہا "ہم اتنی خریدیں گے کہ ہمارا کم از کم ایک ہفتہ بخوبی گذر جائے کیونکہ ہم آگے بڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہمارے ساتھ جو لڑکی ہے وہ دراصل اسکالر ہے اور آثار قدیمہ اس کا موضوع ہے اور میں ہپی ازم پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ شائد دوسری بار تم ہم لوگوں کو اپنے قافلے میں نہ دیکھو۔!"

"کتابیں لکھنے والے چاقو باز نہیں ہوتے۔ تم پتا نہیں کیا چیز ہو!" وہ ہنس کر بولی۔

"فوج سے نکالا ہوا ہوں۔ مزید تعلیم حاصل کرنے امریکا چلا گیا تھا! وہاں مہا گرو کرن جی سے ملاقات ہو گئی اور اس حال کو پہنچ گیا۔"

"مگر تم تنہا ہو۔!"

"نہیں تو وہ دونوں بھی ہیں۔!"

"تمہاری کوئی پارٹنر نہیں ہے۔!"

"جب پیدا ہو گی تو سیدھی میرے پاس چلی آئے گی!"

"تم ہپی نہیں معلوم ہوتے۔"

"میں نے حصول علم کے لیے یہ رُخ اختیار کی ہے زندگی کی دشواریوں سے نہیں بھاگا ہوں۔"

"ایسے ہی لگتے ہو۔ اگر میرا پارٹنر بیمار نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے اُسے چھوڑ دیتی۔ ایسے حالات میں اُس کا دل نہیں دکھانا چاہتی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی مر جائے گا۔"

حمید خاموش ہی رہا۔

"لیکن وہ لڑکی تو بہت بور معلوم ہوتی ہے!" میگی نے کچھ دیر بعد کہا۔

"میں نے تمہیں بتایا نا کہ لکھنے پڑھنے والی لڑکی ہے!"

"بہر حال ہوشیاری سے سونا۔ وہ سب تم لوگوں کو بہت مالدار سمجھتے ہیں اور ایک کو زخمی بھی کر چکے ہو۔!"

"مشورے کا شکریہ! میں خیال رکھوں گا۔ اچھا اب چلوں میرے ساتھی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے!"

"میں اُس رقم کا معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

"میں نے اس نیت سے نہیں دی تھی۔ جاؤ آرام کرو!"

حمید اُٹھ کر آگے بڑھ گیا۔ میگی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زری کوہ کی شکارگاہ۔ شکوہ آباد سے سترہ اٹھارہ میل رہی ہوگی۔ کسی قدر اونچائی پر بھی واقع تھی اس لیے راستہ چکردار تھا! فریدی خود ہی لینڈ رور ڈرائیو کر رہا تھا۔ سڑک سنسان نہیں تھی۔ اُس کے پیچھے خاصا ٹریفک تھا۔ جس میں لونڈنگ ٹرکس کی تعداد زیادہ تھی۔

شہباز کا بھیجا ہوا آدمی انسپکٹر یوسف زئی فریدی کے قریب ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"شکار میں وہ تنہا تو نہ ہوگا!" فریدی نے کہا!

"زری کوہ کے خان عبدالرحمٰن کا لڑکا سلیم اُس کے دوستوں میں سے ہے جناب۔ وہی اُسے شکار کھلا رہا ہوگا۔!"

"اب دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ کتنے دنوں سے ان لوگوں کے ساتھ مقیم ہے!"

"اُس نے معاملہ پکا کر لیا ہوگا جناب۔ بیوقوف آدمی نہیں ہے اور خان عبدالرحمٰن تو حکومت وقت کے بڑے مخالفوں میں سے ہے۔!"

"خان شہباز نے اُس کے لیے کچھ نہیں کہا!"

"کارروائی انہی کے خلاف ہو سکتی ہے جناب جو کھل کر سامنے آجائیں!"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔!"

"اب بائیں طرف موڑ لیجئے جناب! اِدھر ہی سے ہم خان عبدالرحمٰن کی حویلی تک پہنچ سکیں گے۔!" انسپکٹر یوسف زئی نے کہا۔ فریدی نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ اس سڑک پر بھی اکا دکا گاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔

"شیرافگن کا رجحان کس سیاسی پارٹی کی طرف تھا!" فریدی نے انسپکٹر یوسف زئی سے سوال کیا۔

"مجھے علم نہیں جناب... ویسے اس کا شمار یہاں کی قابل ذکر شخصیتوں میں کبھی نہیں رہا"

"خان شہباز سے اُس کے تعلقات کیسے تھے۔!"

"انہیں اُس سے کسی قسم کے بھی تعلقات رکھنے کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی جناب؟"

"میں نے یونہی سوال برائے سوال کیا تھا۔"

"میں نے کبھی اُسے ایس۔ پی صاحب کے ساتھ نہیں دیکھا!"

"لیکن شاید شکوہ آباد سے روانگی سے قبل وہ اُن سے ملا تھا!"

"مجھے اس کا علم نہیں جناب۔!"

دفعتہً بائیں جانب سے ایک فائر ہوا اور لینڈ رور اُچھل کر رہ گئی۔ شاید اس کا کوئی ٹائر نشانہ بنایا گیا تھا!

اگر فریدی جیسا جاگتے ہوئے ذہن کا آدمی ڈرائیو نہ کر رہا ہوتا تو گاڑی یقیناً اُلٹ گئی ہوتی۔ فریدی نے بڑی پھرتی سے دوسری طرف کا دروازہ کھولا اور انسپکٹر یوسف زئی کو باہر دھکیلتا ہوا خود بھی نیچے کود گیا۔

ایک فائر پھر ہوا اور گولی اُس کے اُوپر سے گذر گئی۔

"دد... دیکھا آپ نے!" یوسف زئی ہانپتا ہوا بولا۔

"اُدھر اُس چٹان کے پیچھے جلدی کرو۔!"

فائر پھر ہوا۔ فریدی نے بھی بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا تھا۔ لیکن ابھی تک فائر نہیں کیا تھا! جلد سے جلد ایسی جگہ پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں سے سچویشن کو ہینڈل کر سکتا! یوسف زئی نے بتائی ہوئی جگہ تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی اور اس نے بھی ریوالور نکال لیا تھا۔

فریدی بھی اُس کے قریب پہنچ گیا... اچانک اس جگہ سے ہٹ کر تیسرا فائر ہوا... فائر کرنے والا اُن سے زیادہ اونچائی پر تھا۔ اس بار انسپکٹر یوسف زئی بال بال بچا۔

سڑک پر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی اور بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ جن کا جواب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسی جگہ سے دیا گیا جہاں سے ان دونوں پر تیسرا فائر ہوا تھا۔ اس بار فریدی کے ریوالور سے بھی شعلہ نکلا۔

کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُدھر سے پھر فائر ہوا ہی تھا کہ فریدی کا ریوالور بھی اُسی سمت چل گیا!... اور پھر ایک طویل کراہ سنائی دی... پھر سناٹا چھا گیا۔

دفعتہً سڑک کی جانب سے آواز آئی "آپ نے اُسے مار لیا ہے جناب!"

یوسف زئی حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا تم مجھے اتنا ہی احمق سمجھتے تھے؟" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"میں نہیں سمجھا جناب!"

"آؤ... فریدی سڑک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ لینڈ روور کے قریب ایک لوڈنگ ٹرک کھڑا دکھائی دیا۔ اور ایک آدمی دوسری طرف والی چٹان پر چڑھتا دکھائی دیا۔ دو مسلح آدمی اور بھی تھے جو لوڈنگ ٹرک کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔

کچھ گاڑیاں اور رُکی تھیں۔ لیکن ٹرک کے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے ہاتھ ہلا کر سخت لہجے میں کہا "چلتے رہو۔! پولیس! یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے...!"

گاڑیاں اپنی اپنی سمتوں میں بڑھ گئیں۔ فریدی نے یوسف زئی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اُسی چٹان پر چڑھنے لگا۔ چٹان کی دوسری طرف ایک آدمی چاروں خانے چت پڑا ہوا نظر آیا۔ جس کی بائیں کنپٹی سے خون بہہ بہہ کر آس پاس پھیل رہا تھا۔!

یوسف زئی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ پھر تھوک نگل کر رہ گیا۔

"شاید تم اُسے پہچانتے ہو۔!" فریدی نے یوسف زئی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

"جج۔ جی... میں نہیں سمجھا!" یوسف زئی بہت زیادہ بدحواس نظر آ رہا تھا۔ دوسرا

آدمی خاموش کھڑا رہا۔

"تم نیچے جاؤ۔!" فریدی نے اُس سے کہا اور اُس نے خاموشی سے تعمیل کی۔

"اُن گولیوں میں سے کوئی تمہیں بھی چاٹ سکتی تھی۔!"

"جج... جی ہاں... بال بال بچا ہوں۔ وہ نیسر افائر... میرے قریب ہی چٹان کا ٹکڑا اُڑا تھا۔!"

"اور اب تمہاری زندگی اور زیادہ خطرے میں ہے! کیوں کہ تم عینی شاہد بن چکے ہو..."

یوسف زئی تھوک نگل کر رہ گیا!

"کیا تم اسے پہچانتے ہو...!"

"مم... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔!"

"کیا سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"یہ ایس۔ پی صاحب کا بہت ہی خاص آدمی تھا!"

"فورس کا کوئی آدمی۔!"

"جی نہیں۔ لیکن ایس۔ پی صاحب اس سے بہت ہی خاص قسم کے کام لیتے تھے!"

"تم اسے پہچانتے ہو! لہٰذا اب تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے!"

"میں سمجھ رہا ہوں کرنل صاحب! لیکن اَب ہوگا کیا۔!"

"تم نے اسے نہیں دیکھا تھا!" فریدی مسکرا کر بولا "کسی نامعلوم آدمی نے فائرنگ کی تھی اور فرار ہو گیا تھا۔"

"جی میں سمجھ گیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کرنل صاحب!"

فریدی چٹان کے سرے کی طرف بڑھ کر اونچی آواز میں بولا "تم میری گاڑی کا وہیل تبدیل کرو۔ اور تم دونوں اُوپر آؤ۔"

وہ پھر لاش کے قریب آ کھڑا ہوا اور بولا! "فی الحال شہباز میرا مسئلہ نہیں ہے اس لیے ابھی اس معاملے کو نہیں اُٹھاؤں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں سمجھا جناب!" یوسف زئی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ ابھی تک خود پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

"میں یہاں شیر افگن کے قاتل کی تلاش میں آیا ہوں۔ لہٰذا بظاہر میری مصروفیت اس حد تک رہے گی...!" فریدی نے کہا اور لاش کی طرف ہاتھ اٹھا کر "اس کا مطلب تو تمہاری سمجھ میں آ ہی گیا ہوگا..."

"میرے حواس بجا نہیں ہیں جناب!"

"خیر میں سمجھا دوں گا۔" فریدی نے کہا اور ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا جنہیں طلب کیا تھا۔

"اس لاش کو یہیں کہیں ایسی جگہ چھپا دو کہ تلاش کرنے پر مل سکے۔ جہاں چھپاؤ وہاں سے یہاں تک اسی کے خون کے دھبے اس طرح ڈالتے جانا جس سے معلوم ہو کہ یہ خود گھسٹتا ہوا وہاں تک پہنچا ہو اور ختم ہو گیا ہو۔"

"بہت بہتر جناب!"

"آؤ چلیں!" فریدی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ سڑک پر تیسرا آدمی اسپیئر وہیل کے بولٹ کس رہا تھا۔

"اب کہاں چلیں گے جناب۔!"

"خان عبدالرحمٰن کی حویلی۔"

بولٹ کس کر اس نے وہیل کیپ چڑھا دیا اور فریدی نے اس سے کہا! "تم یہیں ٹھہرو۔ ادھر وہ دونوں کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد تم وہیں پہنچ کر ٹھہرنا جہاں ٹھہرنا تھا۔"

پھر فریدی نے یوسف زئی کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا! تھوڑی دیر بعد لینڈ روور پھر حرکت میں آ گئی۔ اور فریدی نے کہا۔

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ داور شیر افگن کا قاتل نہیں ہے۔ اصل قاتل سے شہباز واقف ہے اور اس کا جرم داور کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر ہم دونوں مار ڈالے جاتے تب بھی یہی کہا جاتا کہ داور نے ہمیں اپنے راستے سے

ہٹا دیا اور اگر یہ مرنے والا ہمیں ختم کئے بغیر فرار ہو جاتا ہے تو ہم بھی یہی سوچتے کہ داور ہی رہا ہوگا۔"

"جی ہاں۔ بالکل یہی سوچتے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن جناب داور کی انگلیوں کے نشانات ہوٹل کے اس کمرے میں ملے تھے جہاں قتل ہوا تھا!"

"اصل معمہ یہی ہے۔ اس کے حل ہوتے ہی قاتل میری گرفت میں ہوگا! خاصی پلاننگ کی گئی ہے اس قتل کے سلسلے میں۔"

"بہرحال آج معلوم ہوا کہ شہباز کسی کا بھی نہیں ہے۔ جناب میں بال بال بچا ہوں۔ یقین نہیں آتا کہ زندہ ہوں۔"

"اس حملے سے ایک بات اور قبل از وقت واضح ہو گئی۔"

"وہ کیا جناب۔!"

"داور یہاں موجود نہیں ہے۔!"

"جی ہاں قطعی ورنہ اس ڈرامے کی ضرورت ہی نہ تھی۔!"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر یوسف زئی نے کہا "ہم سب بے بس ہیں اس کے ہاتھوں۔ سیاسی وجوہ کی بنا پر اسے جو چھوٹ ملی ہوئی ہے اس سے بے تحاشا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ کلیجہ خون ہو جاتا ہے۔ جب ہمیں اپنے ہی بھائیوں، دوستوں، حتیٰ کہ محسنوں تک کے خلاف کارروائی کرنی پڑتی ہے۔! اس کے خلاف کہیں کوئی شنوائی نہیں ہے۔"

"اس معاملے کو بھی دیکھا جائے گا۔ اوپر والے اصل حالات سے آگاہ نہیں ہیں۔"

"آخر یہ سب کچھ کب تک ہوتا رہے گا!"

"جب تک اس نظام کی بنیادی خامیاں دور نہ کر دی جائیں گی۔ ان کی طرف کوئی بھی دھیان نہیں دیتا۔ بس جمہوریت کے ڈھول پیٹے جاتے ہیں۔ شاید کوئی بھی نہیں جانتا کہ جمہوریت کس چڑیا کا نام ہے یا پھر اس کی طرف سے مصلحتاً آنکھیں ہی بند کر لی گئی ہیں.... بنیادی چیز آدمی کو اپنے مقام کا عرفان ہے۔ جب تک آدمی اپنا مقام نہیں پہچانے گا کسی نظام کو ڈھنگ سے نہیں چلا سکے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میری سمجھ میں نہیں آتا اب اُس کا سامنا کس طرح کروں گا۔ کیا اُس ردعمل پر قابو پا سکوں
س کا سامنا ہوتے ہی ہو گا۔"

"بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے انسپکٹر۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا "بس
ذہن میں رکھو کہ ہم نے مفرور کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ فائرنگ بند ہوتے ہی حویلی کی طرف
ے لیے تھے۔"

"بہت بہتر جناب... میں کوشش کروں گا کہ اپنے رویئے کو نیچرل رکھ سکوں۔"

"نہ رکھ سکے تو کم از کم یہ رنگ تو دے ہی سکو گے کہ اس واقعے نے تمہیں ہلا کر
دیا ہے اور تمہارے اعصاب قابو میں نہیں ہیں!"

"یہ تو بہت آسانی سے ہو جائے گا جناب!"

"بس تو پھر یہی رویہ اختیار کرنا۔"

"آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے جناب!"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بس اب اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ شیر افگن کے قاتل پر
پڑتے ہی شہباز کا بھی تختہ اُلٹ جائے گا۔"

حویلی کے قریب پہنچ کر فریدی نے گاڑی روک لی۔ اور اپنا کارڈ اندر بھجوایا...
ن عبدالرحمٰن اُسے ریسیو کرنے خود ہی حویلی کے باہر آگیا تھا۔ انہیں اندر لے گیا۔ فریدی
اپنی آمد کی غرض و غایت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "داور پر ایک قتل کا شبہ کیا جا رہا ہے۔"

"کس کے قتل کا شبہ کیا جا رہا ہے!" خان عبدالرحمٰن نے پوچھا!

"شکوہ آباد کے شیر افگن کے قتل کا۔"

"اوہ۔ میں نے اخبارات میں اُس کے بارے میں پڑھا تھا۔ لیکن داور پر کیوں
کیا جا رہا ہے وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتا!... جی ہاں... وہ یہاں آیا تھا۔ لیکن اس قتل
پہلے کی بات ہے۔ میرے بیٹے کا دوست ہے۔ دو دن قیام کر کے چلا گیا تھا۔"

"کہاں چلا گیا تھا۔"

"مجھے تو علم نہیں۔ شاید سلیم جانتا ہو۔ ٹھہریئے میں اُسے بلواتا ہوں!"

"میں بالکل تنہائی میں اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں!"

"تو چلئے میرے ساتھ۔ وہ اپنے کمرے میں ہو گا۔!"

فریدی نے یوسف زئی کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خان عبدالرحمٰن کے
ساتھ ہو لیا۔

سلیم اپنے کمرے ہی میں موجود تھا!

"یہ کرنل فریدی ہیں!" عبدالرحمٰن نے تعارف کراتے ہوئے کہا! تم سے تنہائی میں
گفتگو کرنا چاہتے ہیں!"

"ضرور ضرور جناب تشریف رکھیئے... یقین نہیں آتا کہ آپ یہاں تشریف لائیں!"

"آپ کے کیسوں کا ذکر بڑے پیار سے کرتا ہے!" خان عبدالرحمٰن نے کہا۔ اور
انہیں وہیں چھوڑ کر چلا گیا!

"مجھے داور سے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں!" فریدی نے کہا۔

"داور کے متعلق؟" سلیم نے چونک کر پوچھا!"

"ہاں۔ وہ آپ کے دوستوں میں سے ہے!"

"جی ہاں...!"

وہ یہاں سے کہاں گیا تھا!"

"یہ تو نہیں بتایا تھا۔"

"دوران قیام میں کس قسم کی گفتگو کرتا رہا تھا۔"

"آپ یقین نہ کریں گے لیکن زیادہ تر آپ ہی سے متعلق گفتگو ہوتی تھی۔"

"مجھ سے متعلق!"

"جی ہاں...! اُس کا خیال تھا کہ شکوہ آباد کو آپ کے علاوہ اور کوئی شہباز سے
نجات نہیں دلا سکتا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ شہباز ہم پر کیسے مظالم ڈھا رہا ہے۔!"

"ہے تو...!"

"بس داور کا کہنا تھا کہ شہباز کی ایک رگ میرے ہاتھ آگئی ہے اور میں اُسے کرنل فریدی تک ضرور پہنچاؤں گا۔"

"ذرا تفصیل سے بتایئے۔!"

"تفصیل تو اُس نے خود مجھے بھی نہیں بتائی تھی۔!"

"اور کیا کہتا تھا۔"

"بس یہی کہ میری اسکیم مکمل ہو گئی ہے۔ جلد ہی دارالحکومت کی طرف قدم اُٹھ جائے گا۔"

"لیکن آپ جانتے ہیں کہ کیا ہوا ہے۔!" فریدی نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"جی نہیں۔ اُس کے بعد کی مجھے خبر نہیں۔!"

"وہ شیر افگن کے قتل میں ملوث ہو گیا ہے۔!"

"نہیں!" سلیم اچھل پڑا۔

"جی ہاں۔ ہوٹل کے اس کمرے میں جہاں شیر افگن کا قتل ہوا تھا۔ داور کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں!"

"میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ نہیں جناب ہرگز نہیں۔ شیر افگن صاحب کا نام تو وہ بڑے احترام سے لیتا تھا۔ انہیں اپنا اُستاد کہتا تھا۔ کہتا تھا کہ مجھے شیر افگن ہی نے آدمی بنایا ہے۔!"

"غالباً آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ قاتل فرار کس طرح ہوا تھا!"

"میرے خدا۔ پیراشوٹ... نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔!"

"فی الحال تو یہی ہوا ہے۔ شہباز کو بھی داور ہی کی تلاش ہے۔!"

"یقین کیجئے۔ داور کے خلاف کیس بنایا جا رہا ہے۔ کاش مجھے علم ہوتا کہ شہباز کی کون سی رگ اُس کے ہاتھ آگئی تھی۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اُس پر قتل کا الزام آنے والا ہے تو کسی نہ کسی طرح اُسے سب کچھ اُگل دینے پر مجبور کر دیتا۔ اوہ... دیکھئے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ داور اور شیر افگن ایک ساتھ ہی دارالحکومت گئے ہوں۔!"

"وہ تو ثبوت موجود ہے کہ دونوں کسی نہ کسی وقت وہاں یکجا ضرور ہوئے تھے!"

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔!" سلیم بولا! "میں یہ کہہ رہا تھا شیر افگن اسے ساتھ ہی لے گیا ہو۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے سلیم صاحب! مقتول کے کمرے میں بہرحال اُس کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں!"

"آپ پھر نہیں سمجھے... کیا یہ ممکن نہیں کہ دونوں متحد ہو کر ایک ہی مقصد کے حصول کے لیے دارالحکومت گئے ہوں! اور وہاں کسی اور نے شیر افگن کو قتل کر دیا ہو...!"

"لیکن داور کہاں غائب ہو گیا!"

"شہباز احمق تو نہیں ہے۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہے! ہو سکتا ہے اُسے علم ہو گیا ہو کہ داور اُس کے کسی راز سے واقف ہو گیا ہے جسے وہ اس کے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال کر سکے! میں دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ جو بات داور نے مجھے نہیں بتائی تھی اسے شیر افگن سے بھی پوشیدہ رکھا ہو... اُن دونوں کے ایسے ہی تعلقات تھے۔ بچپن ہی سے وہ شیر افگن سے بہت مانوس تھا اور اُسے اپنا آئیڈیل بھی کہتا تھا۔"

"بات پھر بھی نہیں بنتی سلیم صاحب!"

"دفعتہً" سلیم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا اور مضطربانہ انداز میں بولا۔ "کہیں داور بھی ٹھکانے نہ لگا دیا گیا ہو... اگر وہ دونوں ساتھ گئے تھے تو شیر افگن کے کمرے میں اس کی انگلیوں کے نشانات کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا!"

"لیکن شیر افگن اُس کمرے میں تنہا مقیم تھا۔!" فریدی نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کسی احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ دونوں ایک دوسرے سے دور دور بھی رہ سکتے تھے! لیکن اُن کی ساری احتیاطی تدبیریں اس فرد کی وجہ سے بیکار ہو گئی ہوں جس کی نظر پہلے ہی سے اُن پر رہی تھی!"

"آپ کا یہ مفروضہ خاصا جاندار ہے! اور اس انکشاف کے بعد سے کہ وہ شہباز کے خلاف کوئی ثبوت مجھ تک پہنچانا چاہتا تھا۔ اس کیس نے کم از کم میرے ذہن میں ایک نیا رخ اختیار کر لیا ہے۔!"

"جلد کچھ کیجئے کرنل صاحب!" سلیم مضطربانہ انداز میں بولا۔ "خدا کرے داور زندہ ہو۔ اور وہ بھی مار ڈالا گیا ہے تو اُس کی بے گناہی کا ثبوت کون دے سکے گا... مفرور قاتل کی حیثیت سے پولیس کے ریکارڈ میں دفن ہو جائے گا!"

"آپ بہت ذہین ہیں!"

"لیکن کیا فائدہ میں اس کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکتا!"

"مجھے یہ اطلاع شہباز ہی سے ملی تھی کہ داور زری کوہ میں پہاڑی بکروں کا شکار کھیل رہا ہے...!"

"خداوندا... تب تو مجھے داور کی زندگی کی طرف سے مایوس ہی ہو جانا چاہیئے ان مردودوں نے اُسے مار کر اس کی لاش بھی غائب کر دی۔!"

"نتائج اخذ کرنے میں جلدی نہ کیجئے... یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ خود ہی روپوش ہو گیا ہو۔ اپنی زندگی کے تحفظ کے لیے...!"

"جی ہاں... یہ بھی ممکن ہے۔! میں اس سلسلے میں اگر کسی کام آسکتا ہوں تو حاضر ہوں۔"

"وہ آپ لوگوں پر بھی الزام رکھ سکتا ہے کہ آپ نے داور کو کہیں چھپا دیا ہے اس طرف سے غافل نہ رہیے گا۔ یہاں اُس نے کچھ ایسے افراد پہلے ہی سے پکے کر لیے ہوں گے۔ جنھوں نے داور کو آپ کے ساتھ زری کوہ میں دیکھا ہو! ورنہ وہ مجھے یہاں اس طرح نہ بھیجتا۔!"

"بابا کی اُس سے پرانی رنجشیں چلی آرہی ہیں۔ اور وہ بہت دنوں سے ہماری تاک میں ہے۔ خیر ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے!"

"پھر بھی بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے ویسے میں نے صاف لفظوں میں اُسے آگاہ کر دیا ہے کہ جب تک میں اس کیس کی تفتیش کر رہا ہوں وہ کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔"

فریدی اُسے حیران و ششدر چھوڑ کر دیوان خانے میں آیا جہاں انسپکٹر یوسف زئی اس کا منتظر تھا۔

"کہیئے کرنل صاحب کچھ معلوم ہوا...؟" خان عبدالرحمان نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ لیکن سلیم صاحب سے اس مسئلے پر خاصی معلومات افزا باتیں ہوئی ہیں... اب اجازت دیجئے۔!"

میری خواہش تھی کہ آپ رات کا کھانا ہمارے ہی ساتھ کھاتے!"

"پھر کبھی۔ اس وقت تو اجازت ہی دیجئے!"

واپسی کے سفر میں رات ہو گئی تھی۔ وہ جگہ ویران نظر آئی جہاں اُن پر فائرنگ ہوئی تھی۔ یوسف زئی اب بھی مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ فریدی نے اُس سے کہا۔

"اب آپ اس معاملے پر از سر نو غور کیجئے! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گیا کہ شہباز آپ لوگوں کو کس طرح استعمال کر رہا ہے۔"

"جی ہاں! پوری طرح میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔"

"لہٰذا۔ داور۔ شیر افگن اور شہباز کے مثلث پر اس واقعے کی روشنی میں دوبارہ نظر ڈالیے شاید کوئی کام کا نکتہ ہاتھ آجائے۔"

"اس سلسلے میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا آپ کو پہلے بتا چکا ہوں... وہ بہت کم آدمیوں پر اعتماد کرتا ہے۔ خاص قسم کے کام فورس کے افراد سے نہیں لیتا۔ آپ وہ لاش دیکھ ہی چکے ہیں!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا وہ پہلے بھی کبھی داور کے چکر میں رہا ہے!"

"مجھے علم نہیں۔!"

"کیا لفٹین نادر شجاع شہباز کے دوستوں میں سے ہے!"

"میں نے کبھی دونوں کو ایک ساتھ نہیں دیکھا۔ اور نہ کبھی نادر صاحب دفتر ہی میں دکھائی دیئے یہ بات میں اپنی حد تک کہہ رہا ہوں۔"

"اس سلسلے میں اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیجئے گا۔"

"بہت بہتر۔!"

شکوہ آباد پہنچ کر فریدی نے شہباز کو زری کوہ کے سفر کی کہانی سنائی اور شہباز بہت زیادہ پُرجوش نظر آنے لگا۔ اور میز پر گھونسہ مار کر بولا "میرا دعویٰ ہے کہ خان عبدالرحمٰن نے اُسے چھپا رکھا ہے۔ اور وہ حرکت اُس کے آدمیوں کی ہوگی۔ وہ ایک سرکش قبیلے کا سردار ہے۔ آپ فکر نہ کریں! میں زری کوہ کو الٹ پلٹ کر رکھ دوں گا۔ اور اس فائرنگ کے ذمہ دار جلد ہی آپ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت فرار ہو گئے ہیں تو کیا ہوا۔ ایک ایک پر میری نظر ہے!"

"نہیں!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا "فی الحال سکوت اختیار کیجئے میں اس معاملے کو اپنے طور پر نپٹاؤں گا۔"

"خدا کی پناہ... اگر آپ دونوں کو کوئی گزند پہنچا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ میرے علاقے میں فورس پر کوئی حملہ آور ہو... ناممکن قطعی ناممکن اس کا بچ جانا!"

"فی الحال آپ میری خاطر صبر کیجئے!"

"میں اس سلسلے میں آپ کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اُٹھانا چاہتا!"

"شکریہ۔! خان شہباز۔"

پروفیسر خلجی غصے میں آپے سے باہر ہو رہا تھا اور رضوانہ دور کھڑی ہنس رہی تھی۔

"آخر تو کتنی سیاہی ملے گی میرے چہرے پر۔!" وہ زور سے چیخا!

"کہاں۔ اتنے تو گورے چٹے نظر آ رہے ہیں!" رضوانہ اٹھلا کر بولی۔

"آخر تو نے یہ جھوٹ کیوں بولا۔ کہ نادر اپنی راتیں یہیں لائبریری میں گذارتا ہے!"

"تو کیا میں اس پر شیر افگن کے قتل کا الزام آجانے دیتی۔!"

"جہنم میں جائے وہ... ہم کیوں ہمدردی کریں۔"

"صرف آپ کو اُس سے ہمدردی نہ ہوگی۔ مجھے تو ہے۔!"

"تجھے اُس سے ہمدردی ہے۔ اُس سے جس نے ہمیں اس حال کو پہنچا دیا ہے!"

"تم پھر بہکنے لگے ڈیڈی... کیا تمہیں اپنی زندگی پیاری نہیں ہے۔!"

"اوہ خداوند میں کیا کروں!" پروفیسر دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچنے لگا

"ہاں یہ مناسب ہے!" رضوانہ سنجیدگی سے بولی "اس طرح دل کا غبار بھی نکل جائے گا اور تمہیں کوئی گزند بھی نہیں پہنچے گا۔"

"تو کیسی بیٹی ہے خبیث!" پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"دوسری بیٹیوں سے کسی قدر مختلف۔!"

سیدھی جہنم میں جائے گی۔!"

"جہنم کا کچھ نہ کچھ مصرف تو ہونا ہی چاہیئے۔ آخر بنائی کس لیے گئی ہے!"

"تجھ سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔!"

"میں شیطان سے آدم و حوا کا انتقام لے رہی ہوں۔"

"دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے!"

ٹھیک اسی وقت نادر شجاع کمرے میں داخل ہوا اور انہیں اس حال میں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

اِدھر پروفیسر ایسا نظر آنے لگا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ غصے کی وجہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خدوخال میں جو تیکھا پن پیدا ہوا تھا یکلخت ڈھیلا پڑ گیا۔

"کیا قصہ ہے!" نادر نے پوچھا!

"وہ کرنل فریدی آیا تھا۔ تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا!"

نادر نے پروفیسر کو گھور کر دیکھا اور پروفیسر سے جلدی سے بولا۔

"میں نے اپنی زبان قطعی بند رکھی تھی۔ اسی سے باتیں ہوئی تھیں!"

"کیا باتیں ہوئی تھیں!" نادر نے رضوانہ سے پوچھا اور رضوانہ اُسے بتانے لگی کہ کس طرح اُس نے اُس کی موجودگی شکوہ آباد میں ثابت کر دی تھی۔

"میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں نے اُسے نہیں قتل کیا!"

"لیکن مشتبہ ہو۔ اگر قتل والی شب یہاں تمہاری موجودگی ثابت نہیں کی جائے گی۔ تو دھر لیے جاؤ گے۔" رضوانہ نے کہا۔

"میں شکوہ آباد ہی میں رہا ہوں اُس وقت سے جب وہ دارالحکومت گیا تھا۔"

"لیکن مجھے تو پورے چھ دن بعد دکھائی دیئے تھے۔!"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"اچھی بات ہے۔" رضوانہ غصیلے لہجے میں بولی۔ "تو ثابت کرو... یہاں اپنی موجودگی!"

"میں جہاں بھی رہا ہوں تنہا رہا ہوں۔ اس لیے کسی قدر دشواری ضرور پیش آئے گی۔ لیکن تم اچھی طرح جانتی ہو کہ کرنل فریدی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ پروفیسر کیوں گرم ہو رہے تھے۔!"

وہ پروفیسر کو گھورنے لگا۔ اور پروفیسر کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب نظر آنے لگی... آنکھوں کی وحشت تک غائب ہو گئی تھی اور اُس کی جگہ خوف نے لے لی تھی۔

"کچھ نہیں کک... کچھ نہیں ایک گھریلو معاملہ تھا!" وہ بدقت بولا۔

"نہیں گھریلو معاملہ نہیں تھا۔ انہیں اس پر اعتراض تھا کہ تم اپنی راتیں لائبریری میں کیوں گذارتے رہتے ہو۔

"یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر غصہ کیا جائے!"

"بالکل نہیں۔ بالکل نہیں..." پروفیسر جلدی سے بولا۔

"چلو چھوڑو آؤ میرے ساتھ۔!" رضوانہ ہاتھ ہلا کر بولی۔

پروفیسر انہیں بے بسی سے دیکھتا رہا۔ رضوانہ اسے لائبریری میں لائی۔ اور بولی "یہ رہا تمہارا بستر۔! اور یہ سگرٹ کے ٹوٹے بکھرے پڑے ہوئے ہیں!"

"لیکن تم نے یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے کر لیا تھا؟"

"اُس کی کال میں نے ہی ریسیو کی تھی۔ نام معلوم ہوتے ہی فوراً تمہارا خیال آیا کہ شاید تمہارے ہی بارے میں پوچھ گچھ کرنے آ رہا ہے۔ بس میں نے جلدی جلدی یہ انتظام کر لیا۔"

"تم واقعی بہت تیز ہو۔ پہلے وہ گھر گیا تھا۔ وہیں سے معلوم ہوا ہوگا کہ میں اپنا زیادہ تر وقت یہاں گذارتا ہوں... لیکن رضوانہ کہیں پروفیسر آؤٹ نہ ہو جائیں۔!"

"فکر نہ کرو... انہیں ہینڈل کرنا جانتی ہوں...!"

"اسی لیے میں کہتا ہوں کہ جلد از جلد ہماری شادی ہو جانی چاہیے!"

"بکواس مت کرو۔ مجھے لفظ شادی سے نفرت ہے!"

"خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔ بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے!"

"فکر نہ کرو۔ میں پوری طرح ہوشیار ہوں۔"

"پتا نہیں کس طرح یہ بات آؤٹ ہو گئی!"

"آؤٹ ہو گئی!" رضوانہ نے حیرت سے دُہرایا۔

"ہاں کچھ لوگوں کو اس کا علم ہو گیا ہے!"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی تیسرا نہیں ہے ڈیڈی پر میں کڑی نظر رکھتی ہوں۔!"

"انہیں یہ باور کراتی رہو کہ میرے ساتھ ہی ان کی گردن بھی کٹ جائے گی۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے اچھی طرح سمجھا دیا ہے!" انہیں بس میرے اور تمہارے تعلقات پر اعتراض ہے!"

"اسی لیے تو کہتا ہوں کہ شادی۔!"

"بس بکواس بند کرو ورنہ دو چار ہاتھ جھاڑ دوں گی۔!"

"جاننے والوں کے درمیان بھی چپقلشیں ہوتی ہیں!"

"ہونے دو۔!"

"آخر اس میں حرج ہی کیا ہے!"

"شوہر بن جانے کے بعد تم میرے ہاتھوں سے پٹ نہ سکو گے۔ تمہاری انا مجروح ہوگی!"

"قطعی نہیں ہوگی... سب کے سامنے تو مارتی نہیں ہو۔!" وہ مسمسی صورت بنا کر بولا۔ اور رضوانہ بیساختہ ہنس پڑی پھر بولی "اول درجے کے مکار ہو!"

"جو کچھ بھی ہوں۔ تمہارا ہوں۔ قسم لے جو کبھی کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا بھی ہوں!"

"اگر دیکھو بھی تو کیا فرق پڑے گا!"

"یعنی تم کسی دوسری عورت کو برداشت کر لو گی!"

یقیناً بشرطیکہ میرا حقِ ملکیت برقرار رہے! تم مجھ سے اسی طرح چپٹتے رہو!"

"پتا نہیں یہ مار پیٹ تمہیں اتنی پسند کیوں ہے!"

"میں خود بھی نہیں جانتی۔ جب بھی کبھی غصے میں ایک آدھ جھاڑ دیتی ہوں۔ گھنٹوں ذہن پر سرور سا طاری رہتا ہے!"

خیر۔ خیر اب کام کی بات کرو!"

"کوئی خاص بات ہے؟" رضوانہ نے سوال کیا۔

"ہاں... اس بار بات کیسے بنے گی۔ میرا خیال ہے کہ کرنل فریدی کو علم ہو گیا ہے!"

"یہ میری ذمہ داری ہے۔ تم خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو!"

میرا خیال ہے کہ وہ تنہا نہیں آیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔!"

"ہونے دو۔ میں سب کو دیکھ لوں گی۔!"

فریدی ایک بار پھر نذرہ خاتون سے ملا۔ شیر افگن سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آج بھی نذرہ خاتون کی آنکھیں متورم نظر آ رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے زیادہ تر روتی ہی رہتی ہو۔

"کیا شیر افگن صاحب! بہت غصہ ور آدمی تھے۔!" اس نے نذرہ خاتون سے سوال کیا

"جی نہیں! بہت ٹھنڈے دماغ کے آدمی تھے۔ شاذ و نادر غصہ آتا تھا!"

"لیکن ناصر خاں والے معاملے سے معلوم ہوتا ہے...!"

"محض اتفاق تھا کہ کرنل صاحب! ورنہ وہ تو کبھی اونچی آواز میں گفتگو بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ فرشتہ تھے۔ البتہ اپنے بعض معمولات میں دخل اندازی پسند نہیں کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر کسی قدر جھنجھلاہٹ کا اظہار بھی ہوتا رہتا تھا مثلاً اگر وہ اپنی ڈائری لکھ رہے ہوں اور کوئی انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرے تو جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ ضرور ہوتا تھا۔"

"اوہ تو وہ ڈائری لکھنے کے بھی عادی تھے!"

"جی ہاں پابندی سے لکھتے تھے!"

"لیکن وہاں۔ ان کے سامان میں کوئی ڈائری نہیں ملی تھی۔ حالانکہ ڈائری لکھنے والے کم از کم سفر میں ڈائری ضرور ساتھ رکھتے ہیں!"

"میں اس کے بارے میں کیا عرض کر سکتی ہوں!"

"ڈائری رکھتے کہاں تھے۔ میرا خیال ہے کہ کئی ڈائریاں ان کے پاس ہوں گی۔ اگر لکھنے کے عادی تھے۔!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی ہاں درجنوں ہیں۔ لائبریری میں ڈائریوں کے لیے ایک الماری مخصوص ہے!"

"کیا میں اُن پر ایک نظر ڈال سکوں گا۔!"

"کیوں نہیں۔ آیئے میرے ساتھ۔!"

وہ اُسے لائبریری میں لائی۔ اور جہاں تھی حیرت زدگی کے عالم میں وہیں کھڑی رہ گئی۔ الماریوں کی ساری کتابیں فرش پر بکھری پڑی تھیں۔

"یہ کیا ہوا۔ اور کس نے کیا؟" وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولی۔

"ڈائریوں والی الماری...!"

نذرہ خاتون نے ایک الماری کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن وہ بھی خالی نظر آئی اس کے بعد فریدی نے ساری کتابیں اُلٹ پلٹ ڈالی تھیں۔ لیکن اُن میں ایک بھی ڈائری نہ مل سکی۔

"آپ کو یقین ہے کہ اس الماری میں درجنوں ڈائریاں تھیں؟"

"میں یہاں رہتی ہوں کرنل صاحب مجھے یقین کیوں نہ ہوگا۔!"

"آپ یہاں کب سے نہیں آئیں۔"

"اس حادثے کی خبر سننے کے بعد سے پہلی بار آئی ہوں۔ ورنہ اُن کی کتابوں کی دیکھ بھال میں ہی کرتی تھی۔ اس کام کو ملازموں پر نہیں چھوڑا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسے ہوا... ڈائریاں کہاں گئیں۔"

فریدی خاموش ہی رہا۔ اس کے بعد گھر کے سارے ملازم طلب کر لیے گئے تھے لیکن سب نے اس سے لاعلمی ظاہر کی...

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہوا... اور اس کا ذمہ دار کون ہے!" نذرہ خاتون نے کہا۔

"ضرور ان ڈائریوں میں سے کسی میں کوئی ایسا مواد تھا جو ان معاملات پر روشنی ڈال سکے"

"معاملات۔ کیسے معاملات۔!"

"بہتیرے معاملات ہیں! کیا آپ کو علم ہے کہ شیر افگن صاحب مجھ سے ملنے گئے تھے!"

"جی نہیں! میں نہیں جانتی۔!" نذرہ خاتون کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں آپ کو جو کچھ بھی بتانے جا رہا ہوں اُسے آپ کو اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا پڑے گا۔!"

"ایسا ہی ہوگا۔ آپ مطمئن رہیے!"

فریدی نے وہ ساری گفتگو دُہرا دی جو شیر افگن اور اس کے درمیان ہوئی تھی۔ نذرہ خاتون حیرت سے منہ کھولے سنتی رہی۔ پھر بولی! "میری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آیا۔"

"انہوں نے اُس نامعلوم آدمی کا جو حیولیٰ بیان کیا تھا نادر صاحب پر پورا اترتا ہے!"

"لیکن وہ نادر کی آواز بھی پہچان سکتے تھے اور چلنے کا انداز بھی اُن کے لیے نیا نہ ہوتا آخر یہ سب کیا ہے۔ باہر کے معاملات پر وہ مجھ سے کبھی گفتگو نہیں کرتے تھے۔!"

"فی الحال اس پر غور فرمایئے کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے" فریدی نے لائبریری کی ابتری حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا!

"میں کھل کر بات کروں گی۔!" نذرہ خاتون نے طویل سانس لے کر کہا۔

"میں یہی چاہتا ہوں۔!"

"وہ دونوں ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے تھے... اس سے آپ جو نتیجہ اخذ کرنا چاہیں کر لیں۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی آپ کی لاعلمی میں بھی کسی طرح کوٹھی میں داخل ہو جائے۔!"

"جی ہاں ایک چور دروازہ بھی ہے اور نادر اس سے واقف ہے!"

"میں آپ کا بیحد مشکور ہوں خاتون!"

"میں اُن کے قاتل کو پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتی ہوں خواہ وہ میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔"

"لیکن محترمہ قتل کی وجوہات ہوتی ہیں۔ یہ قتل فوری اشتعال کے تحت ہوا ہوتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو سمجھا جا سکتا تھا کہ شیر افگن صاحب کے خلاف نادر کی نفرت بروئے کار آئی ہے۔ قتل کی وجہ مالی منفعت بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ابھی آپ زندہ ہیں۔ اور پھر اگر شیر افگن صاحب کے بھائی نے بھی اپنا حق طلب کر لیا تو آپ ہی کے حصّے میں کتنا آئے گا۔ اب تیسرا پہلو باقی رہتا ہے۔ نادر صاحب اسی صورت میں انہیں قتل کر سکتے تھے جب کہ خود انہیں اُن کی ذات سے کوئی خطرہ لاحق رہا ہو...“

”میں سمجھ رہی ہوں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔!“ نذرہ خاتون نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”میں کبھی اس قدر کھُل کر بات نہ کر سکتی۔ اگر اُن کی ڈائریاں اس طرح غائب نہ ہو گئی ہوتیں... میں نے کبھی کبھی انہیں بے خیالی میں بڑبڑاتے سُنا ہے۔ نادر اگر تو پھنس گیا تو شہباز تیری طرف سے نظریں پھیر لے گا اور صرف تیری گردن کٹے گی۔“

”اوہ۔!“ فریدی طویل سانس لے کر رہ گیا۔

”میری موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ خاموش ہو جاتے میں کچھ پوچھنے کی کوشش کرتی تو گول مول جواب دے کر ٹال جاتے۔“

”آپ نے کبھی کریدنے کی کوشش نہیں کی!“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں جناب! میں ان کا اسی طرح احترام کرتی تھی جس طرح کوئی پجارن کسی دیوتا کا کر سکتی ہے۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی کسی بات پر اُن سے اُلجھی ہوں۔ جو کچھ وہ خود سے بتانا چاہتے بتا دیتے... میں کریدا نہیں کرتی تھی۔ لیکن ڈائریوں کے اس طرح غائب ہو جانے کی بنا پر سوچتی ہوں کہ ضرور انہوں نے نادر کے بارے میں کچھ لکھا ہوگا... ورنہ وہ الماری ہی میں ہوتیں... اور مجھے یقین کامل ہے کہ یہ حرکت نادر کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔“

”ذرا پھر تو بتائے گا کہ وہ بے خیالی کیا بڑبڑاتے تھے!“ فریدی نے اپنی نوٹ بک کے صفحات پلٹتے ہوئے کہا۔

نادر اگر تو پھنس گیا تو شہباز تیری طرف سے نظریں پھیر لے گا اور صرف تیری

گردن کٹے گی۔“ نذرہ خاتون نے بھرائی ہوئی آواز میں دُہرایا۔

فریدی نے یہ جملے نوٹ کئے اور ڈائری بند کرتا ہوا بولا! ”تو گویا اس قتل کا محرک شہباز بھی ہو سکتا ہے...!“

”کوئی بھی ہو۔ خدارا جلد میرے کلیجے میں ٹھنڈک ڈالئے...“

”بہت جلد خاتون!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا! ”فی الحال صبر سے کام لیجئے!“

کوٹھی سے نکل کر گاڑی کی طرف آیا اور اُسے اچھی طرح چیک کر لینے کے بعد پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ سوئچ آن کرنے پر کسی کی آواز آئی ”ہارڈ اسٹون... ہارڈ اسٹون۔ بی الیون کالنگ“

”ہارڈ اسٹون۔!“ فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”سب کچھ ہماری توقعات کے مطابق ہوا ہے جناب!“ دوسری طرف سے آواز آئی ”پانچ مقامی آدمیوں نے لاش تلاش کر کے ایک جگہ دفن کر دی ہے... جگہ ہماری نوٹس میں ہے۔ اور اُن پانچوں کی قیامگاہوں سے بھی آگاہی ہو گئی ہے۔ کوئی اہم لوگ نہیں۔ وہیں کے کسان قسم کے لوگ ہیں... اُوور۔!“

”مرنے والے کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟“

”یہاں کے مشہور بدمعاشوں میں شمار ہوتا تھا۔ شمشیر گِل نام تھا!“

”اس کے دوسرے ساتھیوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ ایسے ساتھی جو اس کا ہاتھ بٹاتے رہے ہوں... اُوور۔“

”بہت بہتر جناب!“

”اُوور اینڈ آل!“ کہہ کر فریدی نے ماؤتھ پیس ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حمید نے ان دونوں کو بتایا کہ کس طرح اُس نے دوبارہ گیٹار حاصل کیا ہے او[ر]
سکی بہت زیادہ بدحواس نظر آنے لگی!

"تم نے بہت برا کیا" وہ کانپتی ہوئی سی آواز میں بولی! "اُن لوگوں سے جھگڑا مول لینا اچھا نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض اول درجے کے بدمعاش ہوتے ہیں... مفرور ڈکیتی اور قاتل... بال بڑھا کر اپنا حلیہ تبدیل کرتے ہیں اور ہپیوں میں شامل ہو جاتے ہیں"

"بہرحال ہمیں ہوشیار رہنا ہے!" حمید نے کہا

"آخر تم نے بات بڑھائی ہی کیوں۔ کتنا قیمتی تھا گیٹار۔"

"دو پیسے کا تھا!" قاسم جھلا کر بولا "بہت اچھا کیا۔ ذرا کوئی ادھر آنکھ اُٹھا کر تو دیکھے ایک ایک کی گردن مروڑ دوں گا۔"

"تم صرف دو ہو۔!"

"ہمیں دو ہزار سمجھو!" قاسم نے اکڑ کر کہا۔ "اگر انہوں نے گڑبڑ کی تو مارے..."

"پتا نہیں تم دونوں کس قسم کے لوگ ہو۔!"

"ہم بھی اول درجے کے بدمعاش ہیں تم فکر نہ کرو!" حمید نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ بات وہیں ختم نہ ہوئی ہوگی!" سکی بولی۔

"مجھے تم سے زیادہ یقین ہے کہ ابھی مزید جھگڑا ہوگا۔!" حمید نے بولا۔

"یار میرا دغولی۔ مجھے بھوخ لگی ہوئی ہے۔ پیٹ میں جو کچھ تھا سب نکل غیا۔ اُب قیا قروں۔!" قاسم نے اردو میں کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس سفر میں تم مجھے کھا جاؤ گے۔!"

"نہیں بتاؤ قیا قروں... کھانا تھوڑا ہے۔!"

"میں کچھ نہیں جانتا! وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ کل صبح ایک گاؤں سے گذریں گے وہاں تمہارے لیے بھیڑیں خریدنے کی کوشش کروں گا۔ پورا گلہ چاہیے تمہارے لیے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ لوگ بھیڑیں ساتھ رکھتے ہیں۔"

"پھر تم لوگوں نے اپنی زبان شروع کر دی۔ میں بور ہو رہی ہوں!" سکی نے کہا!

"اللہ قرے تم مر ہی جاؤ... پیچھا چھوٹے!" قاسم بھنا کر بولا۔

"مجھ سے جھگڑا کر رہا ہے۔ کہ تمہاری وجہ سے میری محبوبہ خوفزدہ ہو گئی ہے"
حمید نے انگلش میں کہا۔

"ہائے محبوبہ کہا ہے مجھ کو۔!" سکی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"دیکھو سالے!" قاسم نے بگڑ کر کہا "زیادہ حرامی پن جتانے کی ضرورت نہیں ہے!"

"آخر براہ راست مجھ سے کچھ کیوں نہیں کہتا۔ کتنی خواہش ہے کہ اس کی زبان سے کچھ سنوں۔!"

"غالیاں سنو گی غالیاں!" قاسم اردو میں بولا! "مونگ کی دال تم پیدا ہی قیوں ہوئی تھیں روکھی پھیکی۔! ابے حمید سالے تم نے کس جنجال میں پھنسوا دیا ہے!"

"کوئی ان میں سے پکڑ لاؤں... !"

"بس بس اس مونگ قی دال نے میرا جی بھر دیا ہے!"

"اب کیا کہہ رہا ہے!" سکی نے پوچھا۔

"تمہارے حسن کی تعریف کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ اس کے بغیر تو اب میں زندہ ہی نہیں رہ سکوں گا۔"

"اُوہ ۔میرے خدا میں قیا قروں۔!" قاسم جھلاہٹ میں اپنے بال نوچنے لگا۔

"ارے ارے یہ کیا کرنے لگا!" سکی نے حیرت سے کہا۔

"کہتا ہے کہ اسے سب کچھ کیوں بتاتے جا رہے ہو۔ غصہ کر رہا ہے۔"

"تم آخر اتنے شرمیلے کیوں ہو جان!" سکی ہنس کر بولی۔

قاسم دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔

"بچوں کی طرح نخرے بھی کرتے ہو۔!" وہ ہنس پڑی۔

"ابے یہ میں نخرے قر رہا ہوں!" قاسم دہاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا اور حمید نے سکی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا۔ "شاید پھر اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے ۔۔۔!"

"مم ۔۔۔ میں ستے کرتے نہیں دیکھ سکوں گی۔" سکی نے کہا اور چھولداری سے نکل گئی۔

"اسی طرح وہاں ہو جاؤ سالی ۔!" قاسم بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر بڑبڑانے لگا۔ "ایسی بھی قیا عورت جسے دیکھ دیکھ کر وہ چپاتی بیگم یاد آتی رہیں ۔!"

"ہائیں ہائیں۔" حمید بولا! "یہ چپاتی بیگم کون ہیں۔۔۔!"

"ہی ہی ہی ہی ۔۔۔ بس یونہی جیبھ سے نقل غیا ۔۔ میں روٹی کو چپاتی بیگم کہتا ہوں۔"

"ہاں روٹی کے علاوہ اور رکھا ہی کیا ہے تمہاری زندگی میں ۔ لیکن تم نے یہ سچ بات نہیں کہی ۔!"

"قیا مطلب ۔!"

"حمید صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ تم اپنی بیوی کو چپاتی بیگم کہتے ہو!"

"سالے نہیں تو ۔ اور قیا قیا بتایا تھا۔"

"یہ بھی بتایا کہ شادی کی پہلی رات تم بری طرح بوکھلائے ہوئے تھے اور بیوی کو پلنگ سمیت اٹھا لیا تھا۔ وہ بیچاری چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ اور پھر اس نے تمہیں اپنے قریب نہیں آنے دیا تھا۔"

"زندہ دفن قردوں غا سالے قو ۔۔۔ ملے تو ۔!"

"لیکن یہ لڑکی تو اچھی خاصی ہے ۔۔۔!"

"قیا اچھی خاصی ہے۔ سالی میں ہڈیوں کے علاوہ اور کیا رکھا ہے" قاسم بگڑ کر بولا۔ "لنگڑی ہوتی تو کیا تم اسے تل کر کھاتے ۔"

دفعتاً انہوں نے سکی کی چیخ سنی اور حمید اچھل کر چھولداری سے باہر بھاگا۔

"ٹھہرو ۔ میں بھی آ رہا ہوں۔ سالوں نے گڑبڑ کر ہی ڈالی ۔" قاسم بھی اٹھتا ہوا بولا۔

سکی پھر چیخی اور اس بار حمید کو سمت کا اندازہ ہو گیا! چاقو نکال کر اسی طرف جھپٹا۔

"گھبرانا نہیں میں بھی آ رہا ہوں!" قاسم نے للکار کر کہا۔

اور پھر حمید ٹھیک اسی جگہ پہنچا جہاں سے تین چار ہپّی سکی کو اٹھا لیجانے کی کوشش کر رہے تھے!

حمید نے ایک پر چھلانگ لگائی اور وہ چیخ کر الٹ گیا۔ چاقو کا وار اس کے شانے پر لگا تھا۔ انہوں نے بوکھلا کر سکی کو چھوڑ دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔

"ایق قو بھی جندہ نہ چھوڑوں گا ۔۔!" قاسم بھی دہاڑتا ہوا پہنچ گیا!

اور سکی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

"ہی ہی ہی ہی ۔۔۔ اس قی نہیں ہوتی ۔۔۔ اسے چھوڑو گدگدی لگ رہی ہے ۔۔۔ ہی ہی ۔ ہی ہی ہی ۔۔۔"

"تم ہنس رہے ہو جان ۔۔۔!" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"ارے ہاں!" قاسم نے انگلش میں کہا "ہی ہی ہی ہی ۔۔۔ اس طرح لپٹنے سے گدگدی لگتی ہے ہی ہی ہی ہی ۔۔۔!"

ادھر حمید نے ایک کو اور گرا لیا تھا! تیسرا بھاگنے ہی لگا تھا کہ حمید نے کسی کو کہتے سنا "انہیں گھیرو۔ جانے نہ پائیں۔ سرکاری آدمی لگتے ہیں" یہ شاید انہی چھ کارپرداز ہپّیوں میں سے کوئی تھا ۔۔۔!

حمید نے بڑی پھرتی سے چاقو بند کر کے ریوالور نکال لیا ۔۔۔ اور تیزی سے پیچھے ہٹتا ہوا قاسم سے بولا "بائیں جانب نیچے اتر چلو۔ اگر ان کے ہاتھ آ گئے تو مارے جائیں گے۔"

دوسری طرف سے کئی آدمی دوڑ کر ادھر ہی آتے نظر آئے اور حمید نے پلٹ کر ایک فائر جھونک مارا۔ قاسم شاید ذہنی طور پر پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔ اس لیے حمید کی ہدایت پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ حمید ان دونوں کے پیچھے تھا۔ دفعتاً دوسری طرف سے بھی ایک فائر ہوا۔ اور حمید نے ایک جگہ پوزیشن لے لی ساتھ ہی ان سے کہا "تم دونوں رکے رہو ۔۔۔ رکے رہو ۔۔۔ میں انہیں روکتا ہوں۔!"

اس نے پھر فائر کیا۔ ادھر سے بیک وقت کئی فائر ہوئے لیکن حمید محفوظ رہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسی جگہ جم گیا تھا کہ وہ لوگ قریب آئے بغیر قاسم اور سکی کو نہیں دیکھ سکتے تھے... اس نے پے در پے دو فائر کئے۔

اُدھر سکی منمنا رہی تھی۔ "دیکھو میں نہ کہتی تھی کہ یہ ضرور ہوگا۔!"

"یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ تم کیوں فکر کرتی ہو۔ اگر چلا نہ جا رہا ہو تو میری پیٹھ پر آجاؤ۔"

"نہیں ٹھیک ہے ابھی چل رہی ہوں۔ کہیں گولی نہ لگ جائے۔!"

"نہیں لگے گی۔ میرا ساتھی بہت تیز ہے۔ وہ انہیں ادھر نہیں آنے دے گا۔ اس کے پاس بہت کارتوس ہیں!"

اچانک وہ لڑکھڑائی اور قاسم نے سنبھال لیا۔ مطلع صاف تھا اور ستاروں کی چھاؤں میں وہ راستہ بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

"اب کیا ہوگا!" لڑکی نے سسکی لی۔

"سب ٹھیک ہوگا... بور ہونے کی ضرورت نہیں۔"

فائروں کی آوازوں سے چٹانیں گونج رہی تھیں اور حمید سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ ساری اسکیم ہی تلپٹ ہو کر رہ گئی۔ یہاں آنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ اسے گیٹار کے لیے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب اس وقت یا تو وہ گھیر کر مار لیے جائیں گے یا اُن سے کٹ کر ادھر اُدھر بے مقصد بھٹکتے پھریں گے۔ اس نے کسی کو صاف کہتے سُنا تھا کہ انہیں گھیرو سرکاری آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حد تک بات بڑھ جانے کے بعد دوبارہ ان میں گھل مل جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

اُدھر ڈھلان کے اختتام پر پہنچ کر قاسم رُک گیا اور اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر اُوپر دیکھنے لگا۔

"ارے لیٹ جاؤ" یہاں اس طرح کھڑے نہ رہو... ورنہ مارے جاؤ گے!" سکی نے اُس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ اُونچائی پر ہیں۔ تمہارا ساتھی ہر طرف تو نظر نہ رکھ سکے گا۔"

"او ہاں ٹھیک ہے!" قاسم نے کہا اور چت لیٹ گیا... اس کے قریب ہی ایک سیدھی چٹان کھڑی تھی اور آگے کا راستہ مسدود ہو گیا تھا۔ سکی بھی اُس کے قریب ہی لیٹ کر سرگوشیاں کرنے لگی۔ "تمہارا ساتھی اول درجے کا احمق معلوم ہوتا ہے!"

"پھر میں کیا کروں۔"

"تم اس کا ساتھ چھوڑ دو اور ہم کسی طرف نکل چلیں۔"

"ارے باپ رے!" قاسم اُردو میں بڑبڑایا ساتھ ہی اچھلا بھی تھا کیونکہ سکی نے اس کی طرف کروٹ لے کر اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا تھا۔

"یہ... یہ کیا کر رہی ہو۔ سنو کیسی ٹھائیں ٹھائیں ہو رہی ہے!"

"چپ چاپ لیٹے رہو... آہستہ نہیں بول سکتے۔ تمہاری آواز اُن تک پہنچ جائے گی۔"

ادھر حمید سوچ رہا تھا کہ اب کچھ اور کرنا چاہیے ورنہ خواہ مخواہ کارتوس ضائع ہوتے رہیں گے وہ دوسری طرف فائرنگ کرنے والے اونچائی پر تھے اور دکھائی نہیں دیتے تھے۔ دفعتہً حمید نے فائرنگ بند کر دی۔ اُدھر سے مزید کچھ فائر ہوئے اور سناٹا چھا گیا۔ اتنے میں حمید نے پھر اپنی پوزیشن میں تبدیلی کی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کا ان لوگوں پر کیا ردِ عمل ہوتا ہے اُن کی تلاش میں نیچے اُترتے ہیں یا پسپائی اختیار کرتے ہیں۔

کئی منٹ گذر گئے۔ لیکن کسی طرف سے بھی کوئی حرکت نہ دکھائی دی۔ رات پہلے ہی کی طرح سائیں سائیں کرنے لگی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ذرا دیر پہلے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ حمید آہستہ آہستہ اوپر کی طرف رینگنے لگا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چھپکلی کسی دیوار پر چل رہی ہو۔ ریوالور کے خالی چیمبر دوبارہ بھر لیے تھے۔

اور پھر ذرا ہی سی دیر میں اُس پر یہ بات منکشف ہو گئی تھی کہ وہ پسپا نہیں ہوئے تھے۔ اگر ذرا سا بھی چوکتا تو مار لیا گیا تھا۔ ایک پتھر کی اوٹ سے اس نے اُن ہیولے دیکھ لیے۔ آٹھ دس رہے ہوں گے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اوندھے پڑے نظر آئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شاید وہ خود اُس کے منتظر تھے۔ وہ انہیں صاف دیکھ رہا تھا۔ چار عدد بالکل اس کی زد میں تھے۔۔۔ اُن سے پیچھا چھڑانے کی یہی ایک تدبیر سمجھ میں آئی کہ نشانہ لے کر فائرنگ شروع کر دے وہ چاروں صاف زد پر تھے۔ پہلے ہی ہلّے میں اُچھل اُچھل کر دور جا پڑے اور بقیہ اُٹھ کر بھاگے ہی تھے کہ ان میں سے دو اور گرے حمید نے تیزی سے ریوالور پھر لوڈ کیا اور ٹریگر دباتا چلا گیا۔ حالانکہ اَب کوئی بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ زخمی ہو جانے والے وہیں پڑے تڑپ رہے تھے اور چیخ رہے تھے۔

حمید تیزی سے پلٹا اور نیچے اُترنے لگا! اَب شاید ہی کوئی اِدھر آنے کی ہمت کر سکتا۔۔۔!

کچھ ہی دور چلا ہو گا کہ قاسم کی آواز سنائی دی۔ اُردو میں کہہ رہا تھا "دیکھو اس کی نہیں ہوتی ... ہی ہی ہی ... ارے ارے۔!"

"کیا ہو رہا ہے!" حمید نے ڈپٹ کر پوچھا! اور قاسم کی "ہی ہی" رُک گئی ...

"کیا ہوا۔!" اسکی اُٹھ کر اُس کی طرف لپکی!

"ہو گیا جو کچھ ہونا تھا۔ اب یہاں سے دور نکل چلو۔۔۔"

ہائے خانا وانا تو وہیں رہ گیا!" قاسم بھی کراہ کر اٹھ بیٹھا!

"رقم تو ہے نا جیب میں۔ بہت کھانا مل جائے گا۔ چلو جلدی کرو۔"

"کچھ دور چلنے کے بعد قاسم بولا "بھئی میں تو اس سے کہہ رہا تھا کہ نہیں چلا جاتا تو میری پیٹھ پر آ جاؤ۔

"ہائیں! اچانک یہ عنایت کیوں!"

"سب ٹھیک ہے۔!"

"کیا ٹھیک ہے ...!"

"ارے بیچاری کمزور عورت ہے نہیں چلا جاتا ہو گا ... ہی ہی ہی ...!"

"مونگ کی دال بھی تو ہے ...!"

"سب ٹھیک ہے!"

شہباز بہت زیادہ غصّے میں تھا اور فریدی اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے سچ مچ اس کی ذہنی کیفیت کو بڑی اہمیت دے رہا ہو۔! دفعتہً شہباز ٹہلتے ٹہلتے رک کر اس کی طرف مڑا اور بولا! "یہ ٹھیک ہے جناب کہ آپ اس کیس کی تفتیش کر رہے ہیں اور مجھے دخل اندازی نہ کرنی چاہیئے۔ لیکن آخر کب تک۔"

"بتایئے بھی تو کیا معاملہ ہے!" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا!

"آج پھر زری کوہ میں فورس کے افراد پر فائرنگ ہوئی ہے میں اُسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر آپ نے کوئی کارروائی کی۔!"

"جی نہیں! میں نے سوچا کہ آپ کے علم میں لائے بغیر مجھے کچھ نہ کرنا چاہیئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ داور خان کو خان عبدالرحمٰن ہی نے چھپا رکھا ہے!"

"تب تو اوّل درجے کا احمق ہے کہ خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ کر کے آپ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہا ہے!"

"میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ بیحد سرکش لوگ ہیں! آپ کو بھی اس کا تجربہ ہو چکا"

"تو پھر آپ کیا کریں گے۔"

"جوابی کارروائی۔ مجھے اِس سے سروکار نہیں کہ داور وہاں چھپا ہوا ہے یا نہیں"

"ٹھیک ہے۔ اس طرح آپ جوابی کارروائی کر سکتے ہیں! میں یہاں آپ کے فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بننے تو نہیں آیا۔"

"پھر بھی آپ کے علم میں لانا ضروری تھا۔ مجھے خوشی ہو گی اگر آپ اس کارروائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دوران میں ہمارے ساتھ رہیں۔"

"میں آپ کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میرے مظالم کی داستانیں آپ نے بھی سُنی ہوں گی لہٰذا میں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میرا سابقہ کیسے لوگوں سے ہے!"

"اوہ۔ ہاں یہ تو بتایئے کہ آپ نے نادر کی شکوہ آباد میں موجودگی کی تصدیق کہاں کہاں سے کی تھی؟"

"ظاہر ہے وہیں سے جہاں وہ زیادہ تر رہتا ہے۔!"

"پروفیسر خلجی کی طرف اشارہ ہے شاید۔!"

"جی ہاں۔۔۔ وہ بہت دنوں سے اپنی راتیں وہیں بسر کر رہا ہے!"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"میں نہیں سمجھا!" شہباز اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"پروفیسر نے اُسے کیسے گوارا کر لیا ہے۔!"

"اوہ۔ دونوں باپ بیٹی پاگل ہیں۔!"

"لیکن پاگلوں کی شہادت کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتی!"

"میرا مطلب تھا سنکی ہیں۔!"

فریدی کچھ نہ بولا! شہباز نے کہا! "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نادر پر اتنا زور کیوں دے رہے ہیں۔ جب کہ داور کی انگلیوں کے نشانات مقتول کے کمرے میں ملے تھے۔"

"داور کا ملنا بہت ضروری ہے! اس سے پہلے یہ معمّہ حل نہیں ہو سکتا!"

"پتا نہیں کیوں آپ نے اسے معمّہ بنا دیا ہے جب کہ داور کی انگلیوں کے نشانات نے اسے ایک کھلا ہوا کیس بنا دیا ہے!"

"قاتل کے ڈرامائی فرار نے اُسے معمّہ بنایا ہے خان شہباز۔۔۔ وہ اُسے خاموشی سے قتل کر کے کسی کے علم میں لائے بغیر بھی فرار ہو سکتا تھا۔"

"ہو سکتا ہے گھیر لیے جانے کے خدشے کی بنا پر پیراشوٹ ساتھ لے گیا ہو۔!"

"لیکن یقین کیجیے کہ وہ قتل کے بعد خاموشی سے بھی فرار ہو سکتا تھا۔ قتل میرے ایک آدمی کی موجودگی میں ہوا تھا! لیکن وہ قاتل کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا"

"میں نہیں سمجھا!"

"شیرافگن نے مجھے بھی اُس اجنبی کی کہانی سُنائی تھی۔ اور میں نے اس کی نگرانی شروع کرا دی تھی۔"

"تب تو پھر کوئی اُلجھاوا ہی ہوگا!" شہباز طویل سانس لے کر بولا۔ "لیکن آخر داور روپوش کیوں ہو گیا ہے؟"

"یہی تو دیکھنا ہے!" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ شہباز کی آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا! "میں نے اُن سرکشوں کی کمین گاہ کا پتا لگا لیا ہے۔ آج وہیں چھاپا ماریں گے!"

"جب چلنا ہو! مجھے اطلاع دے دیجیے گا!" فریدی نے کہا!

پھر وہ اُس کے آفس سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا اور ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی بچے کی خوش فعلیاں یاد آ رہی ہوں۔!"

بھٹکتے بھٹکتے صبح ہو گئی۔ پتا نہیں کدھر نکل آئے تھے۔ چاروں طرف اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور قاسم دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے کہہ رہا تھا۔ "یہاں تو گھاس بھی کہیں ہے کہ اُس کا بھی تجربہ کر ڈالتا۔ اور چھینو بیٹا گیٹار۔۔۔ پتا نہیں سالا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیسا منحوس گیٹار تھا!"

حمید نے سوچا کہ اب اُسے خود کو اُس پر ظاہر کر دینا چاہیئے۔ ورنہ یہیں کہیں ہاتھ ؤں پسار کر پڑ جائے گا۔ اُس نے بڑے پیار سے اُس کا سر سہلا کر کہا "خود کو یتیم مت سمجھو یں ابھی زندہ ہوں!" یہ اس کی اصل آواز تھی۔۔۔

قاسم ہکلا کر رہ گیا۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔۔۔۔ پھر انت پیس کر بولا "تو یہ سارا چکّر تم نے پھیلایا ہے۔!"

"بس ہو گئی کرکری! ورنہ میں تو تمہیں لمبی تفریح کرانا چاہتا تھا۔ دیکھو کیسی چاہنے والی ڑکی تلاش کر دی ہے۔۔۔ چاہو تو اس سے شادی بھی کر سکتے ہو!"

"اَمے نہیں ہی ہی ہی ہی۔۔۔!"

"میرا خیال ہے کہ اب تم اسے پسند بھی کرنے لگے ہو۔ چرس نوشی ترک کر دینے کا وعدہ تو ہ کر ہی چکی ہے۔۔۔!"

"ہاں۔۔۔ غنیمت ہے!" قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔

"کتنی بار کہوں کہ انگلش میں گفتگو کرو!" سکی نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہ تم سے شادی کر لینے پر آمادہ ہے!" حمید نے کہا۔

"دیکھو۔ پھر وہی گھپلے والی بات!"

"اس کے لیے تو میں جان بھی دے سکتی ہوں!"

قاسم کے دانت نکل پڑے۔ اور حمید اس تبدیلی پر متحیر رہ گیا تھوڑی دیر بعد قاسم نے کہا "مجھ سے تو اب نہیں چلا جاتا۔ پتا نہیں کہاں جا رہے ہیں!"

"جلد ہی ہمیں کوئی چرواہا ملے گا اور ہم اُس سے بھیڑیں خریدیں گے!" حمید بولا

قاسم نے بیچ سے تھوک کی پچکاری ماری۔ بھیڑوں کے نام پر شاید منہ میں پانی ر آیا تھا۔ اُس نے کہا "مگر سالے تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا تھا!"

"جب مجھے بھی کوئی مل جاتی تو خود کو ظاہر کر دیتا۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آنے پائی!"

"قبھی نہیں آئے غی۔۔۔ تم ہو ہی منحوس!۔۔۔ یہی تو میں قہہ رہا تھا کہ آخر ٹھائیں ٹھوئیں قیوں ہونے لگی۔!"

قاسم کو چلائے رکھنے میں بڑی دشواری پیش آ رہی تھی۔ حمید نے سکی سے کہا کہ وہ بولتی رہے تاکہ قاسم کی بھوک بہلائے رکھنے میں کچھ مدد ملے اور اس نے قاسم کی شان میں شاعری شروع کر دی۔ ایسے جذباتی ڈائیلاگ بول رہی تھی کہ قاسم کا معدہ دل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آخر تھوڑی دیر بعد قاسم بولا۔ "مگر یار شادی قیسے ہو سکتی ہے؟"

"ہو سکتی ہے!" حمید نے کہا "باپ کی پرواہ مت کرو جیسے ہی ان کو معلوم ہوگا کہ امریکن ہے ان کا دم نکل جائے گا کیونکہ کئی امریکی کمپنیوں کے اشتراک سے بھی تو کام کر رہے ہیں اور اگر کہیں تم نے کہہ دیا کہ امریکی صدر کی بھانجی بھی لگتی ہے تو سر پہ اٹھائے اٹھائے پھریں گے اور تم ناپتے رہ جاؤ گے!"

"چوپ بے میرا باپ ایسا نہیں ہے!"

"تو پھر ڈیڑھ درجن سیکرٹریاں کیوں رکھ چھوڑی ہیں!"

"سبھی رکھتے ہیں!"

"مکھیاں مارنے کے لیے نہیں رکھتے۔!"

"بس۔ بس باپ کی بات مت قرو۔!"

"میں تو کہہ رہا تھا۔"

"نہیں بس۔۔۔ جب ہو غا مقدر میں تو شادی بھی ہو جائے غی!"

"بطور سیکرٹری ہی رکھ لینا!"

"قہاں رکھوں گا۔ جیب میں؟ وہ سالی چپاتی بیغم۔۔۔!"

"رکھنے کا انتظام بھی کر دوں گا۔ اس طرح کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو"

"اللہ قسم!" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"یقین کرو۔۔۔ مجھے بھی یہ لڑکی تمہارے لیے بہت پسند آئی ہے!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بعد میں گھپلا تو نہیں کرو گے!"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

بہر حال حمید اور سکی اُسے باتوں میں اُلجھائے ہوئے چلاتے رہے تھے!... دفعتہً حمید چلتے چلتے ایک جگہ رک گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو! اور پھر وہ آواز ان دونوں نے بھی سُن لی تھی... کسی گاڑی کی آواز تھی اور ایک جانب کی اونچائی سے آرہی تھی... وہ ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں دُبک گئے۔

پھر وہ جیپ انہیں دکھائی دے گئی جس پر انہی کے ملک کی فوج کا نشان بنا ہوا تھا۔

"خدا کی پناہ...!" حمید طویل سانس لے کر بولا "یہ تو اپنی ہی طرف کی سرحد کے محافظ ہیں... تو کیا ہم نے بارڈر کراس کر لیا ہے!"

"جرور یہی بات ہے۔" قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔

تھوڑی سی چڑھائی چڑھ کر وہ اُس سڑک تک پہنچ سکتے تھے جس پر جیپ نظر آئی تھی لیکن حمید نے اُسے مناسب نہ سمجھا۔ اس کی بجائے وہ نیچے ہی نیچے اُس سمت بڑھتے رہے جدھر سے جیپ آتی دکھائی دی تھی اور پھر آگے چل کر چٹانوں کے درمیان گم ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد قاسم کی بھی تقدیر کھل گئی۔ یعنی بھیڑوں کا ایک گلہ بھی نظر آگیا۔ دو بھیڑیں خریدی گئیں چاقو تو حمید کے پاس موجود ہی تھا... تمباکو نوشوں کے لیے ماچس بھی ضروری ہوتی ہے لہٰذا کسی نہ کسی کے پاس نکل ہی آتی ہے... ادھر اُدھر سے خشک لکڑیاں اور خشک گھاس اکٹھا کی گئی۔ اور بس پھر کام بن گیا۔ ایسی جگہ پر تھے کہ آسانی سے دیکھے بھی نہیں جا سکتے تھے ایک بھیڑ ذبح کر دی گئی۔ کھال بھی حمید ہی کو اُتارنی پڑی۔ اس کے بعد وہ لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اور سکی قاسم کا ہاتھ بٹانے لگی۔ زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے فائروں کی آوازیں سُنی تھیں۔

"یہ قیا ہونے لگا!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا "سالے کسی کو کھاتے پیتے نہیں دیکھ سکتے۔"

"یہ کوئی اور معاملہ معلوم ہوتا ہے! ہم اپنے مُلک کی حدود میں ہیں۔ آگ بجھا کر اس دراڑ میں چلے جاؤ!" حمید اُٹھتا ہوا بولا "میں دیکھتا ہوں۔"

وہ آواز کی سمت چڑھائی پر چڑھنے لگا۔ فائروں کی کچھ آوازیں دور کی تھیں اور کچھ قریب ہی کی معلوم ہوتی تھیں...! وہ بڑی احتیاط سے اُوپر چڑھ رہا تھا۔ چٹان کے اختتام پر ایک دراڑ نظر آئی جس کے اندر کا اُجالا کہہ رہا تھا کہ دوسری طرف راستہ مسدود نہ ہوگا۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر دراڑ قدم رکھ دیا۔ داہنا ہاتھ بغلی بوسٹر پر رکھا تھا۔

تھوڑی ہی دور چل کر رُک جانا پڑا۔ ایک آدمی اوندھا پڑا نظر آیا جس کے ہاتھ پُشت پر بندھے ہوئے تھے۔ پیر بھی آزاد نہیں تھے۔ جسم میں حرکت پائی جاتی تھی۔ شاید حمید کی آہٹ ہی پر اس نے سر گھمانے کی کوشش کی تھی۔

"تم کون ہو۔ اور یہ کیا ہو رہا ہے!" حمید نے آہستہ سے پوچھا!

وہ اُسے ویران ویران سی آنکھوں سے دیکھتا رہا پھر ہذیانی انداز میں بولا! "خدا کے لیے مجھے بچاؤ... ورنہ وہ مار ڈالیں گے۔! مجھے ہٹائے چلو یہاں سے ورنہ ذرا ہی سی دیر میں۔ میرا خاتمہ ہو جائے گا!"

"وہ کون ہیں۔" حمید نے اُس کے ہاتھوں کی گرہ کھولتے پوچھا!

"بتا دوں گا۔ نہ میں کوئی مجرم ہوں اور نہ... جلدی کرو۔ وہ قریب ہی ہیں...!"

حمید نے اس کے پیر بھی کھول دیئے اور وہ اُٹھ بیٹھا۔ کھڑا ہوا تو قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اور اُس کا رخ اُدھر ہی تھا جدھر سے حمید آیا تھا۔ دراڑ کی دوسری طرف سے بدستور فائرنگ کی آوازیں آرہی تھیں۔ دور کی بھی اور قریب کی بھی — وہ اُسے سہارا دے کر ادھر ہی لے چلا جہاں قاسم اور سکی کو چھوڑ آیا تھا۔

اجنبی کہہ رہا تھا! "تھوڑی دیر فائرنگ کر کے... وہ مجھے گولی مار دیتے! میں نے انہیں کہتے سنا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کس پر فائرنگ کر رہے ہیں..."

"میرے حواس ٹھکانے نہیں ہیں۔ پہلے مجھے کسی محفوظ جگہ پر لے چلو... میں سب کچھ بتا دوں گا۔!"

قاسم آگ بجھا کر چٹان کی اوٹ میں چلا گیا تھا۔ ادھ کچا گوشت کھا رہا تھا اور سارے زمانے کو گالیاں دے رہا تھا۔ سکی بیٹھی ہنس رہی تھی۔ حمید نے اجنبی کو انہی کے پاس بٹھا دیا وہ قاسم کو خوفزدہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

"ہم امن پسند لوگ ہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں!"

"وہ یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں!"

"ان کے بارے میں کچھ بتاؤ بھی تو۔"

مم... میرا سر چکرا رہا ہے... غشی...!" اس نے بدقت کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اگر حمید نے جھپٹ کر سنبھالا نہ ہوتا تو سر نیچے پڑے ہوئے پتھر سے ٹکراتا اس نے اُسے بہ آہستگی لٹا دیا۔

"ابے یہ قس کو پکڑ لائے۔!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ کنکھیوں سے سکی کی طرف دیکھے جا رہا تھا... اجنبی جوان العمر اور خوش شکل تھا۔ لیکن شاید کئی دنوں سے شیو کرنا نصیب نہیں ہوا تھا۔

"کوئی مصیبت زدہ ہے! کچھ بتانے سے پہلے ہی بے ہوش ہو گیا۔"

"اب اس کو بھی کھلانا پڑے گا۔!" قاسم نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

کرنل فریدی اور ایس پی شہباز فورس کے کچھ افراد سمیت فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ مخالف سمت سے ہونے والے فائر اچانک رُک گئے... اور شہباز بولا!

"احتیاط سے! وہ مردود شاید اب اپنی پسپائی کا ڈرامہ کر رہے ہیں!"

فریدی کچھ نہ بولا... لیکن آگے بڑھتا رہا۔ کسی چیتے کی طرح چوکنا تھا۔ دفعتہً کسی جانب سے مخصوص انداز میں بجائی جانے والی سیٹی کی آواز آئی... اور فریدی رُک گیا۔ ایس۔ پی شہباز کی آنکھوں میں پل بھر کے لیے حیرت کے آثار نظر آئے تھے۔

سیٹی کی آواز پھر آئی اور اس بار فریدی نے سمت کا صحیح تعین کر لیا اور اسی جانب بڑھتا ہوا بولا "آیئے۔!"

"میں نہیں سمجھا!" شہباز بولا۔

"میرے آدمیوں نے انہیں قابو میں کر لیا ہے۔ اطلاعی اشارہ تھا!"

شہباز کے چہرے پر بادل سا آ کر گذر گیا۔ اور وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے فریدی کے ساتھ چلتا رہا۔

اور پھر وہ اُس جگہ جا پہنچے جہاں تین آدمی بندھے پڑے ہوئے تھے... اور ان کے قریب ہی تین رائفلیں پڑی نظر آئیں...

"اوہ...!" شہباز بولا! "یہ تو شکوہ آباد کے مفرور بدمعاش ہیں! ہمیں عرصہ سے ان کی تلاش تھی۔!"

"جناب عالی...!" ان میں ایک نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن شہباز ڈپٹ کر بولا!

"خاموش رہو... ورنہ گولی مار دوں گا۔!"

"اگر یہ شکوہ آباد کے مفرور بدمعاش ہیں تو آپ جائیں!" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

"لیکن... آپ کے وہ آدمی...!" شہباز نے پُرتشویش انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے علاوہ اور کسی پر خود ظاہر نہیں کرتے!"

"شاید اسی لیے آپ اب تک زندہ ہیں!"

فریدی نے شانوں کو جنبش دی اور سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔

شہباز نے تینوں قیدیوں کو گھورتے ہوئے کہا! "یہ چار تھے۔ ساتھ ہی فرار ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے"۔ پھر اُن سے کڑک کر پوچھا۔ "چوتھا کہاں ہے!"

"غائب ہو گیا جناب عالی۔!" ایک بولا۔

"اچھا اچھا۔ اَب تم پاگل پنے کی باتیں بھی کرو گے...!" شہباز انہیں خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ اور اپنے آدمیوں سے کہا "ہتھکڑیاں ڈال کر انہیں لے چلو...!"

"مم... مگر۔ جناب عالی...!"

"خاموش رہو!" شہباز دہاڑا۔

فریدی دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرا رہا تھا۔ واپسی کے سفر میں شہباز خاموش رہا۔ اپنے پروگرام کے مطابق وہ زری کوہ کے سرکش آدمیوں کی ایک کمین گاہ پر چھاپا مارنے آیا تھا۔ لیکن اُس کمین گاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ان پر فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ فریدی کو بھی ساتھ لایا تھا۔

شکوہ آباد کی حدود میں داخل ہو کر فریدی نے اس سے کہا "اچھا خان شہباز میں تو اَب جا کر آرام کروں گا۔ بہت تھک گیا ہوں... آپ اپنے مفروروں کو لے جایئے... جس غرض سے گئے تھے... وہ نہ ہوا۔ یہ لوگ شکوہ آباد کے مفرور ملزم نکلے!"

"آپ فکر نہ کیجیے! میں اَب خان عبدالرحمٰن کی حویلی کی تلاشی کا وارنٹ حاصل کروں گا اور آپ بھی میرے ساتھ ہوں گے۔!" شہباز نے کہا۔

"ہاں آخری صورت یہی رہ جاتی ہے!" فریدی بولا۔

"خان شہباز لینڈ روور سے اُتر کر اپنی جیپوں کی طرف بڑھ گیا۔ اور فریدی نے ہوٹل کی راہ لی۔ کچھ دور چل کر ڈیش بورڈ کے خانے سے ٹرانسمیٹر کا ہاؤتھ پیس نکالا۔

"ہیلو... بی تھریٹن... بی تھریٹن... ہارڈ اسٹون کالنگ... ہیلو بی تھریٹن!"

"بی تھریٹن سر!" ریسیور سے آواز آئی۔

"وہ کسی چوتھے آدمی کی بھی بات کر رہے تھے جو انہیں کے الفاظ میں غائب ہو گیا!"

"ہمیں کوئی چوتھا آدمی نہیں دکھائی دیا۔ جناب! وہی تینوں فائرنگ کر رہے تھے۔"

"تمہیں پوری طرح یقین ہے کہ اس سلسلے میں تم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی!"

"مجھے پوری طرح یقین ہے جناب...!"

"اوور اینڈ آل۔!" کہہ کر فریدی نے سوئچ آف کیا اور ہاؤتھ پیس کو ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔ وہ سچ مچ آرام کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ رات اُسے شیر افگن کی کوٹھی میں گذارنی تھی اُس کے کاغذات دیکھنا چاہتا تھا۔

شام کی چائے پی کر سو گیا۔ نیند کا سلسلہ دروازے پر ہونے والی دستک نے توڑا تھا۔ گھڑی دیکھی۔ رات کے نو بج گئے تھے۔ اُٹھ کر دروازہ کھولا اور آنے والوں کو دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ حمید اور قاسم کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔ ایک غیر ملکی لڑکی اور ایک ایسا آدمی جس کا پورا چہرہ پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ کھلی نظر آ رہی تھی اور سب سے بڑا اچنبھا یہ تھا کہ حمید اور قاسم اپنی صاف ستھری شکلوں میں تھے... ڈاڑھیاں اور بالوں کے جھاڑ جھنکاڑ غائب ہو گئے تھے۔ فریدی نے خاموشی سے پیچھے ہٹ کر انہیں اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا...!" اس نے حمید کو گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا اور اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

"آپ کے لیے تحفہ ہے!" حمید نے کہا!

"کیا مطلب!"

"پٹیاں کھول کر دیکھ لیجیے۔ آپ پسند فرمائیں گے اور یہ بھی بھول جائیں گے کہ ہم دونوں ہپیوں کے روپ میں کیوں نہیں نظر آ رہے...!"

"تم خود ہی کھولو۔!" فریدی بیزاری سے بولا۔

اور حمید آگے بڑھ کر اُس کے چہرے سے پٹیاں کھولنے لگا۔ بندش ایسی ہی تھی جیسے سارا چہرہ زخمی ہو گیا ہو۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں مقیم ہوں...!" فریدی نے پوچھا!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس لڑکی نے شہباز کو فون کر کے آپ کا پتہ معلوم کیا تھا اُس سے کہا تھا کہ آپ کی گرل فرینڈ ہے اور دارالحکومت سے آئی ہے!"

فریدی ہونٹ بھینچے کھڑا حمید کو گھورتا رہا... لیکن جیسے ہی اس شخص کا پورا چہرہ کھلا چونک پڑا اور اس کے چہرے کا تیکھا پن غائب ہو گیا۔

"داور۔!" وہ مضطربانہ انداز میں اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"جی ہاں... کیپٹن حمید کی عنایت سے بچ گیا۔ ورنہ میری لاش آپ کے سامنے پیش کر دی جاتی۔ وہ کچھ دیر فائرنگ کرتے اور پھر مجھے گولی مار کر فرار ہو جاتے۔ اور میں اس حال میں کہ ایک رائفل میرے ہاتھ میں دبی ہوتی۔ اور گولی کا سوراخ پیشانی پر ہوتا پھر خبر چھپتی کہ شیر افگن کا قاتل پولیس کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔"

رات کے تین بجے تھے اور پروفیسر خلجی کے بنگلے کی بعض کھڑکیاں ابھی تک روشن نظر آ رہی تھیں۔ ایک موٹر سائیکل چکردار سڑک پر بنگلے کی جانب بڑھتی دکھائی دی اور عین صدر دروازے کے سامنے جا رُکی۔ رضوانہ اُس پر سے اُتری اور دروازے پیٹنے لگی۔ اور دروازہ کھولنے والا نادر تھا... وہ اُسے دھکیلتی ہوئی اندر گھسی اور اُسے دروازہ بند کرنے کو کہتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ نادر پورے لباس میں تھا۔ اوور کوٹ بھی پہن رکھا تھا۔ سر پر فلٹ ہیٹ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں باہر جانے کے لیے تیار ہو رہا ہو۔ لائبریری میں پہنچ کر وہ اُس کی طرف مڑی اور بولی "یہ پہلا اتفاق ہے کہ وہ لوگ مقررہ وقت پر وہاں نہیں پہنچے۔!"

"یہ ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن...!" نادر نے اُسے پر اشتباہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں؟" رضوانہ غرائی۔

"میں یہ نہیں کہتا... اوہ... میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہو گی۔ فریدی یہاں پہنچ گیا ہے۔!"

"یہاں پہنچنے سے کیا ہوتا ہے۔ اُس طرف تو اس کی پہنچ نہیں ہے! انہیں اُدھر سے آنا تھا۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے...! مال کہاں ہے!"

"جہاں ہوتا ہے...!"

"اُسے نکال لاؤ..."

"تم خود نکال لاؤ۔!" وہ کنجی اُس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی "میں بہت تھک گئی ہوں۔"

نادر اُس سے کنجی لے کر باہر نکلا! اور موٹر سائیکل کی سیٹ کے نیچے قفل کا سوراخ تلاش کرنے لگا۔ کنجی گھما کر سیٹ اُٹھائی ہی تھی کہ کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی اُس پر پڑی اور جس پوزیشن میں تھا اُسی میں رہ گیا! گاڑی اُسی کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ تیز روشنی میں آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ اُچھل کر روشنی کی زد سے نکل گیا۔

گاڑی قریب ہی رُکی اور اُس پر سے پانچ آدمی اُترے!

"نادر جہاں ہو... وہیں ٹھہرو۔!" سناٹے میں ایک آواز گونجی... لیکن نادر چھلانگ مار کر پھر موٹر سائیکل کے قریب آیا اور اُٹھی ہوئی سیٹ کے نیچے سے کچھ نکالنے لگا۔ ایک فائر ہوا... گولی اُس کے پیروں کے قریب پڑی تھی وہ اُچھل کر صدر دروازے کی طرف بھاگا۔ اور اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

کرنل فریدی نے موٹر سائیکل کی اُٹھی ہوئی سیٹ کے نیچے ٹارچ کی روشنی ڈالی اور سیاہ رنگ کا ڈبہ نکال لیا... اور اُسے اپنے ایک ساتھی کے حوالے کرتا ہوا حمید سے بولا۔

"دروازہ کھلواؤ۔! نہ کھولے تو توڑ دو۔!"

حمید نے آگے بڑھ کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا... پھر فریدی کے اشارے پر اس کے تینوں آدمی دروازہ توڑنے کے لیے آگے بڑھے ہی تھے کہ دروازہ کھل گیا۔ اور پروفیسر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خلجی کا وحشت زدہ چہرہ نظر آیا... چندھیائی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھتا ہوا بولا! یہ کیا طوفان بدتمیزی ہے اتنی رات گئے"؟

"ہمارے پاس نادر کی گرفتاری کا وارنٹ ہے!" فریدی نے آگے بڑھ کر کہا

"تو یہاں کیا کر رہے ہو... وہ یہاں نہیں ہے!"

"کیا مجرم کی پشت پناہی کے جرم میں تم بھی گرفتار ہونا چاہتے ہو.. وہ ابھی ابھی تمہارے بنگلے میں اسی دروازے سے داخل ہوا ہے!"

"بکواس ہے!" پروفیسر کے عقب سے رضوانہ کی آواز آئی۔

"یہ باہر موٹر سائیکل کس کی کھڑی ہے!" فریدی نے رضوانہ سے سوال کیا۔

"ہوگی کسی کی. میں نہیں جانتی۔!"

"اُس موٹر سائیکل کی سیٹ کے نیچے سے کم از کم دو پونڈ ہیروئین برآمد ہوئی ہے!"

"ہوئی ہوگی۔ پتا نہیں کس کی موٹر سائیکل ہے اور کون کھڑی کر گیا ہے!"

"ہو سکتا ہے پھر اُسی کی ہو جو سیٹ اُٹھا کر ہیروئین کا ڈبہ نکال رہا تھا اور ہمارے للکارنے پر تمہارے بنگلے میں داخل ہو گیا!"

"اندر آ کر تلاشی لے لو... یہاں کوئی بھی نہیں ہے!" رضوانہ نے کہا۔

"ہم یہی کریں گے۔!" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ پروفیسر اُس کے ساتھ چل رہا تھا اور بے حد خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

انہوں نے پوری عمارت چھان ماری۔ فریدی کے دو ساتھی باہر ہی رہ گئے تھے غالباً عمارت کی دوسری جانب نکاسی کے راستوں کی نگرانی کر رہے تھے۔

بہر حال نادر کا سُراغ نہ مل سکا... آخر فریدی پروفیسر کی طرف مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا "وہ تمہارے بنگلے میں داخل ہوا تھا... !"

"میں تمہاری بات کی تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں!" پروفیسر نے آہستہ سے کہا۔

"ڈیڈی۔!" رضوانہ دھاڑی۔.!

کیپٹن حمید اُس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اُسے ہلکی سی چمک کا احساس اور اُس نے بڑی پھرتی دکھائی ورنہ چھت سے ٹکرانے والی گولی پروفیسر کی کھوپڑی میں پیوست ہو گئی ہوتی۔ اُس نے رضوانہ کا پستول والا ہاتھ اُوپر اٹھا دیا تھا۔ پھر بایاں ہاتھ رضوانہ کی ٹھوڑی پر پڑا۔ اور وہ دوسری طرف اُلٹ گئی۔ اس کا اعشاریہ دو پانچ کا چمکدار پستول اب حمید کے ہاتھ میں تھا۔

اور پھر فریدی کے اشارے پر رضوانہ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پاگل ہو گئی ہو۔ جو کچھ بھی کہہ رہی تھی وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پروفیسر دیوار سے ٹکا کھڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"اس کُتیا نے مجھے کہیں کا نہ رکھا... !" وہ ہانپتا ہوا بولا "اسے تو خودکشی کر لینی چاہیئے تھی۔ لیکن اس نے مجھ پر فائر کیا۔!"

وہ چیختی ہوئی پروفیسر پر جھپٹی لیکن حمید نے بازو پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔

"اسے فی الحال کسی کمرے میں بند کر دو۔!" فریدی نے اس سے کہا اور وہ دوسرے آدمی کی مدد سے اُسے دوسرے کمرے میں گھسیٹ لے گیا۔

پروفیسر نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا! "وہ یہیں تہ خانے میں ہے لیکن اب اِدھر سے اُس تک پہنچنا محال ہو گا۔ ایک راستہ اور بھی ہے جسے میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا! میں تمہیں وہاں لے چلوں گا۔ میں نے تہہ خانے میں بوٹیوں کا عرق کشید کرنے کے لیے جدید ترین مشینیں لگائی تھیں۔ اس مردود نے انہیں ایسی مشینوں میں تبدیل کر دیا جو ہیروئین بنا سکیں... اور شراب بھی کشید کرنے لگا۔ میرے سینے پر خان شہباز کی توپ رکھ دی گئی تھی۔ نادر اسی کا کارپرداز ہے... اُس نے اُس دیوانی کُتیا کو پھانس کر مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔ میری حیثیت عضوِ معطل کی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ زبانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

احتجاج کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا دو سال سے میں تہہ خانے میں قدم بھی نہیں رکھ سکا! میں نہیں جانتا کہ وہاں اور کیا کیا ہے!"

"چلو مجھے وہ راستہ بتاؤ۔ تمہیں وعدہ معاف گواہ بناؤں گا تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا!" فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

وہ خاموشی سے باہر نکل آیا اور ایک جانب سے ٹیلے کی ڈھلان میں اترنے لگا۔ وہیں فریدی کے وہ دو ساتھی بھی ملے جو باہر رہ گئے تھے فریدی انہیں نکاسی کے راستوں کی نگرانی کرنے کی ہدایت دیتا ہوا پروفیسر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

ٹیلے کے نیچے پہنچ کر پروفیسر رُک گیا اور فریدی کی طرف مڑ کر پوچھا "ٹارچ ہے!"

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی۔ پروفیسر اُس کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر بولا۔

"ادھر بہت بڑے بڑے جنگلی چوہے بھی ہیں۔ ہوشیار رہنا۔"

روشنی کا دائرہ ایک بڑے سوراخ پر پڑا تھا۔ جس سے ایک خاصا جسیم آدمی چوہے کی طرح گذر سکتا تھا۔ پروفیسر نے ٹارچ فریدی کو تھماتے ہوئے کہا۔ "عقب سے روشنی ڈالو۔ اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔۔۔!"

"اندر ہی کے راستے کو کیوں نہ آزمایا جائے!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"قطعی ناممکن ہے۔ اس نے اندر سے بند کر لیا ہوگا۔۔۔ باہر سے راستہ بنانے کے لیے ڈائنامائیٹ ہی استعمال کرنا پڑے گا۔ اس سوراخ کی لمبائی تین چار فٹ سے زیادہ نہیں ہے اُس کے بعد تم پیروں سے چل سکو گے۔ فکر کیوں کرتے ہو۔ پہلے میں جا رہا ہوں!"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ اور سر سوراخ کے اندر ڈال دیئے۔ اور کسی چھپکلی کی ہی طرح سوراخ میں رینگ گیا! فریدی ٹارچ کی روشنی سوراخ میں ڈالتا رہا تھا۔ اس کے بعد اُس نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور پروفیسر کے بیان کے مطابق تین یا چار فٹ کے بعد ہی۔ اُس کے پیر زمین سے جا لگے۔ اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا سامنے پتھر کی بنائی ہوئی دیوار تھی جس میں ایک آہنی دروازہ بھی نظر آیا۔ دیوار میں کئی جگہ سوراخ بھی دکھائی دیئے کئی بڑے بڑے چوہے اُچھل اُچھل کر اُن سوراخوں میں جا گھسے۔

پروفیسر دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید بہت عرصے سے نہیں کھولا گیا تھا۔ فریدی نے بھی زور آزمائی کی اور دروازہ کھل گیا۔ عجیب سی بدبو کا بھپکا دروازے سے باہر آیا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔! اور پروفیسر آہستہ سے بولا! "بے آواز چلنے کی کوشش کرو۔ یہاں اسلحہ بھی ضرور ہوگا۔ وہ درندہ ہے انسانی زندگی کی اُس کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ شیر افگن کو اسی نے قتل کیا ہوگا۔ دفعتہً روشنی کا دائرہ انسانی ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پڑا اور پروفیسر جہاں تھا وہیں رُک گیا اور پھر سحر زدگی کے سے عالم میں بولا! "خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔۔۔ میرے خدا یہاں یہ سب کیا ہوتا رہا ہے۔!"

"مجھے یقین ہے!" فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا "چلو آگے بڑھو!"

دفعتہً انہوں نے کسی کے قدموں کی چاپ سُنی۔۔۔ اور فریدی پروفیسر کو گھسیٹتا ہوا شراب کے ایک بڑے چوبی پیپے کی اوٹ میں ہو گیا۔

پھر انہیں نادر دکھائی دیا جو اسی طرف چلا آ رہا تھا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک مومی شمع تھی اور بائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر رُک کر اُس نے مومی شمع اُوپر اٹھائی اور دیوار پر کچھ دیکھنے لگا!

"اندر والے راستے کی نگرانی کر رہا ہے۔" پروفیسر نے فریدی کے کان میں کہا۔

"نادر پستول زمین پر ڈال دو۔ تم میرے نشانے پر ہو!" دفعتہً فریدی نے اونچی آواز میں کہا اور مومی شمع نادر کے ہاتھ سے گر گئی۔ ساتھ ہی اُس نے آواز کی جانب ایک فائر بھی۔ جھونک مارا۔

لیکن اندازے کی غلطی کی بنا پر وہ فائر ضائع ہو چکا تھا۔ فریدی نے اُسے دوسرے فائر کی مہلت نہ دی۔۔۔ اُس کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور نادر کے گرنے کی آواز اندھیرے میں گونج کر رہ گئی۔ مومی شمع گرتے ہی بجھ گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی ٹھوس چیز فرش پر پھسلتی ہوئی اُن کے قریب ہی آ رکی۔ یہ شاید نادر کا پستول تھا۔ فریدی نے ٹٹول کر اُسے اُٹھا لیا۔ پھر ٹارچ روشن کی۔ نادر تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔

فریدی کی گولی اُس کی داہنی ران میں لگی تھی۔۔۔!

پروفیسر نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا "اب بتاؤ تیس مار خاں اب دھمکاؤ مجھے"

نادر نے اُٹھ بیٹھنے کی کوشش کی لیکن فریدی۔ ریوالور سیدھا کرتا ہوا بولا "چپ چاپ پڑے رہو ورنہ اب کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

باہر چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اور ایس پی شہباز اپنے آفس میں بیٹھا کھڑکی سے دور کی پہاڑیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ بائیں جانب تینوں قیدی کھڑے تھے۔ وہی قیدی جنھیں فریدی کے آدمیوں نے گرفتار کیا تھا۔۔۔ دفعتہً شہباز اُن کی طرف مڑ کر بولا "جو کچھ میں نے سمجھا دیا ہے۔ اس کے خلاف نہ ہو! ورنہ تمہارے بال بچوں تک کا پتہ نہیں چلے گا۔!"

"ایسا ہی ہوگا عالی جاہ۔!" تینوں نے بیک آواز کہا۔ اتنے میں انسپکٹر یوسف زئی نے اندر آ کر اطلاع دی کہ فریدی آ رہا ہے اور اس کے ساتھ ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ بھی ہے!"

"آنے دو۔!"

شہباز برا سا منہ بنا کر بولا۔ لیکن جیسے ہی وہ آفس میں داخل ہوئے وہ بری طرح چونک پڑا۔ کیوں کہ اُن کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ فلائٹ لفٹیننٹ داور۔۔۔

"اُوہ۔ تو یہ مل گیا۔۔!" اس کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

"جی ہاں۔۔۔ اور ایک بڑی عجیب کہانی سنائی ہے۔!"

"وہ تو سبھی سناتے ہیں۔ آپ لوگ تشریف رکھیئے۔!"

"یہی تینوں تھے۔!" داور نے قیدیوں کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"صبر سے کام لو!" فریدی بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"جی۔ تو کیا کہانی سنائی ہے اُس نے۔!" شہباز نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔!

"یہ کہانی شیر افگن سے شروع ہوتی ہے۔ اُسے آپ کے اور نادر کے مشترکہ بزنس کا علم ہو گیا تھا۔"

"کونسا مشترکہ بزنس!" شہباز کا لہجہ مضحکہ اُڑانے کا سا تھا۔

"وہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے آپ کہانی سُنئے۔"

"کیا یہ مجھے پھانسنے کی کوئی اسکیم ہے۔۔۔! میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"میں صرف کہانی سنانا چاہتا ہوں بنانے بگاڑنے کی بات نہیں ہو رہی۔ ہاں تو بیچارہ شیر افگن جانتا تھا کہ آپ کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکے گا۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ کوئی ایسی حرکت کی جائے کہ مرکز کی توجہ اس طرف مبذول ہو جائے اور کوئی وہاں سے آ کر یہاں کے حالات کا جائزہ لے۔۔۔ لہٰذا اُس نے کئی بڑے دھماکے کئے اس طرح کہ کو جانی نقصان نہ ہونے پائے۔ پھر ایک ایسے اجنبی کی کہانی سنانے لگا جس نے اس کی مر میں شہر کو تباہ کر دینے کا عہد کیا تھا۔ اس سلسلے میں اُس نے داور کو اپنے اعتماد میں لیا۔ نا نے کسی طرح اس کی سُن گن پا لی اور شاید آپ کو مطلع کر دیا۔ آپ نے ان دونوں کی نگرانی پر اپنے کچھ آدمی لگا دیئے اور اُن کے حالات سے بخوبی آگاہ رہنے کی کوشش کی۔ نادر ہی نے آپ کو یہ اطلاع بھی بہم پہنچائی کہ وہ دونوں دارالحکومت جانے والے ہیں۔ اتفاقاً اُ دوران میں داور کے باپ سے شیر افگن کا جھگڑا ہو گیا۔ بہرحال وہ دونوں الگ الگ ہ دارالحکومت کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک ہی ہوٹل میں قیام کیا۔ لیکن الگ الگ کمر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں اور داور نے وہاں اُس سے اُس کے کمرے میں بھی ایک آدھ بار ملاقات کی تھی ان دونوں نے دراصل مجھ سے ملنے کی اسکیم بنائی تھی۔ آپ نے شیر افگن کے قتل کی اسکیم بنا ڈالی۔ قتل سے قبل والی رات کو داور نے اپنے کمرے میں کھانا طلب کر کے کھایا اور بیہوش ہو گیا۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو ہوٹل کے کمرے میں نہیں تھا۔۔ شیر افگن کا قتل اس کے سر منڈھنے کے لیے آپ نے اس کا اغوا کرایا۔۔۔ اصل قاتل نادر تھا۔۔۔ کیس میں کسی قدر الجھاوا پیدا کرنے کے لیے شیر افگن کے سوتیلے بھائی کی اسپورٹس کار بھی استعمال کی گئی دراصل آپ یہ چاہتے تھے کہ میں آپ کی اُنگلی پکڑ کر شکوہ آباد تک پہنچوں اور آپ یہاں یہ ڈرامہ دکھا دیں۔"

"کونسا ڈرامہ۔!" ایس پی غصیلے لہجے میں بولا۔

"وہی ڈرامہ جو کل سہ پہر کوزری کوہ میں ہوا تھا۔ یہ تینوں کچھ دیر تک ہم پر فائرنگ کرتے اور پھر داور کو گولی مار کر فرار ہو جاتے۔ اور جب ہم وہاں پہنچے تو داور کی لاش اس حال میں ملتی جس سے صاف ظاہر ہوتا کہ وہ پولیس کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ قاتل ہونے کی تہمت اس کی پیشانی پر ثبت ہو جاتی اور وہ اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے زندہ نہ رہتا۔"

"کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ سُنا رہے ہیں کیا؟" ایس پی زہر خند کے ساتھ بولا۔

"جی ہاں۔ جنہیں کل سرحد پار سے آنا تھا وہ آج تک نہیں پہنچ سکے۔"

"کیوں میرا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کر رہے ہیں کرنل صاحب آپ کو اس کے لیے پچھتانا پڑے گا!"

"ان کے نہ پہنچنے کی وجہ یہ ہے کہ پرسوں رات کو اُدھر ہی کیپٹن حمید نے اُن چھ افراد کو ٹھکانے لگا دیا تھا جو اصل کارپرداز تھے۔!"

"کہے جائیے۔ میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑ رہا۔"

"مجھے علم ہے کہ شمشیر گل کو کہاں دفن کیا گیا ہے۔ اور وہ پانچوں میری گرفت میں ہیں!"

شہباز اس بار اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھ کر رہ گیا کچھ بولا نہیں۔۔۔ اُس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آہستہ آہستہ ذہنی انتشار میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ فریدی اُسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔ "نادر کو ڈر تھا کہ کہیں شیر افگن نے وہ سارے ثبوت اپنی ڈائری میں درج نہ کر دیے ہوں جو آپ دونوں کے خلاف استعمال کیے جا سکتے۔ اس لیے اُس نے اُس کی ساری ڈائریاں غائب کر دیں۔"

"میرے خلاف۔ آپ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکیں گے! بکواس کیے جائیے!" شہباز ایکدم آپے سے باہر ہو گیا۔

"قریباً دو پونڈ وہ ہیروئین میرے قبضے میں آ گئی ہے۔ جو کل اُن لوگوں کے حوالے کی جانے والی تھی۔ لیکن وہ آئے ہی نہیں۔!"

"براہِ کرم خاموش ہو جائیے۔ میرا وقت ضائع کیجیے۔ مجھے اور بھی کام ہیں!"

"فی الحال پہلا کام یہی ہو گا کہ اپنے خلاف سب سے بڑے شاہد نادر کو تلاش کر کے ٹھکانے لگا دیں۔۔۔ لیکن عرض ہے کہ وہ بھی میرے قبضے میں ہے اور ڈی۔ ایم کی موجودگی میں اپنا بیان ریکارڈ کرا چکا ہے!"

دفعتہً شہباز اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ انہیں کور کرتا ہوا بولا۔ "تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

لیکن دوسرے ہی لمحے میں بائیں جانب سے فائر ہوا اور اُس کا ریوالور اُچھل کر دور جا پڑا۔۔۔

انسپکٹر یوسف زئی کے سروس ریوالور کی نال سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر فضا میں بل کھا رہی تھی۔

شہباز اپنا زخمی ہاتھ دوسرے ہاتھ سے دباتے ہوئے دھاڑا "ذیل۔ کمینے۔ نمک حرام۔!"

"شاید اسی وقت کے لیے شمشیر گل کی گولیوں سے بچ گیا تھا۔" یوسف زئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سرد لہجے میں کہا۔ اور پھر ڈی۔ ایم کے حکم سے خان شہباز کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔

قاسم نے حمید کو اس زور سے بھینچا کہ اُس کی پسلیاں کڑکڑا گئیں۔

"ارے ارے... یہ کیا کر رہا ہے چھوڑ مجھے...!" حمید بلبلا پڑا۔

"ہائے ہائے حمید بھائی مجا آغیا...!"

"ابے تو مجھے کیوں مارے ڈال رہا ہے!"

قاسم اُسے چھوڑتا ہوا بولا "ابے یار قہتی ہے کہ تم سے زیادہ خُبصورت آدمی آج تک نظر سے نہیں گذرا۔"

"خبط صورت کہا ہوگا۔!"

"یہ قیا ہوتا ہے!"

"بالکل چغُد ہوتا ہے...!"

"جاؤ سالے تم یونہی زجیات پر ٹھنڈا پانی ڈال دیتے ہو!"

"زجیات نہیں جذبات۔!"

"ہوتا ہوگا کچھ۔ ٹھینگے سے!"

"اس کے لیے کیا سوچا ہے..."

"تم نے سوچا ہے کہ میں نے سوچا ہے"

"میں نے کیا سوچا ہے..."

"ہمی تو قہہ رہے تھے کہ انتظام قردوغے رکھنے کا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔"

"وہ کیا کہتی ہے...!"

"قہتی ہے کہ یہیں کی نیشنلٹی دلا دو۔ تمہیں چھوڑ کر قہیں نہ جاؤں غی۔"

"ذرا چپاتی بیغم کا ذکر کر کے دیکھو پھر میں دیکھوں گا کہ کیسے نہیں جاتی۔"

"پھر شروع قر دیا۔ دیکھو اچھا نہیں ہوگا۔!"

"اس سلسلے میں کرنل صاحب سے مشورہ کروں گا!"

"اَمے جاؤ وہ تو یونہی دیکھ دیکھ کر جلے جا رہے ہیں!"

"کچھ کہہ رہے تھے کیا؟"

"جی ہاں پھر مار رہے تھے جو کچھ اللہ نے دے دیا ہے اُس پر قناعت کرو ورنہ ساری جندگی پچھتاتے رہو گے۔! تو قیا دے دیا ہے اللہ نے... آخر قس لیے دے دیا ہے اللہ نے... شہد لگا کر چاٹوں!.."

"یہ بھی کر کے دیکھ لو۔ خیال بُرا نہیں ہے!"

"جان سے ماروں غا۔!" قاسم مٹھیاں بھینچ کر اُس کی طرف لپکا اور وہ ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

پھر وہ فریدی کے کمرے کے سامنے رُکا تھا۔ دروازے پر دستک دی! اندر سے اجازت ملنے پر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔

فریدی تنہا نہیں تھا۔ لفٹیننٹ داور اور اُس کا باپ ناصر خان بھی موجود تھے۔

"آیئے۔ آیئے!" داور حمید کو دیکھ کر اُٹھتا ہوا بولا "میرے نجات دہندہ تو حقیقتہً آپ ہیں۔"

"نہیں بھائی..." حمید نے مسکرا کر کہا "سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوا تھا نہ مجھ سے ایک حماقت سرزد ہوتی اور نہ میں اس طرح بھٹکتا ہوا اُدھر آ نکلتا جہاں یہ معرکہ درپیش تھا۔!"

"میری زیادہ تر کامیابیاں اسی کی حماقتوں کی مرہون منت ہوتی ہیں...!" فریدی بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میری جان تو آپ ہی نے بچائی تھی!" خان ناصر نے کہا۔

"وہ بھی محض اتفاق تھا۔ یہی کہنا چاہیئے کہ اللہ آپ کو زندہ رکھنا چاہتا تھا۔"

"اور آپ سے ملتے ہی مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس فرعون کے دن پورے ہوئے"

"ان ساری کامیابیوں کا سہرہ دراصل مرحوم شیر افگن کے سر ہے! انہوں نے بہت بڑا خطرہ مول لے کر مرکز کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اوپر والوں نے شہباز کی طرف سے اس طرح آنکھیں کیوں بند کر رکھی تھیں!" ناصر خاں نے کہا۔

محض لاعلمی کی بنا پر اس نے تخریب کاروں کی سرکوبی کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔"

"اسی کی آڑ میں اس نے کیسے کیسے لوگوں کی پگڑیاں اچھالی تھیں۔ سوچ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں! خان زمان اور خان ابوالخیر تو مُلک ہی سے فرار ہو گئے!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس کی آنکھیں دفعتہً کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں!

"لیکن وہ لوگ آپ کو کہاں کہاں لیے پھرے تھے!" حمید نے داور سے پوچھا

"مجھے کچھ ہوش نہیں۔ پتا نہیں کس قسم کے انجکشن دیتے رہے تھے کہ دیکھ سکتا تھا۔ سن سکتا تھا لیکن کچھ سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اپنی قوتِ ارادی سے کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔"

"لیکن اس وقت تو آپ پوری طرح ہوش میں تھے جب مجھ سے ملاقات ہوئی تھی...!"

"اُس سے ایک دن قبل حالت کچھ بہتر ہوئی تھی۔ کیونکہ انھوں نے انجکشنوں کا سلسلہ ختم کر دیا تھا اور مجھے ایک غار میں لے جا کر رکھا تھا۔ اور اسی دن مجھے معلوم ہوا کہ میں کن حالات سے دوچار ہوں اور میرا کیا حشر ہونے والا ہے۔ نادر وہیں اسی غار میں لاف و گزاف کرنے آیا تھا۔ اسی نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح اُس نے شیر افگن بابا کو قتل کر دیا اور کس طرح مجھ پر ان کے قتل کا الزام آیا ہے اور اب

شہباز کس طرح کرنل صاحب کو بھی غچہ دینے کی کوشش کرے گا۔ وہ مزے لے لے کر پوری اسکیم میرے سامنے دُہراتا رہا تھا... یہ سب کچھ مجھے ایک بھیانک خواب کی طرح یاد آتا رہتا ہے!"

"بھول جایئے۔ اسی کا نام زندگی ہے...!"

"لیکن میں شیر افگن بابا کو نہیں بھلا سکوں گا!" داور کا گلا رندھ گیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

"واقعی مرحوم ہی کی کوششوں سے ہمیں اس بھیڑیئے سے نجات ملی ہے!" خان ناصر نے کہا۔ "میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ کم از کم اپنی زندگی میں اُن کی بیٹی کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔"

"وہ میری ماں ہیں!" داور بولا۔

"بڑے دل گردے کی عورت ہے۔" فریدی نے کہا! "محض اُسی کی رہنمائی کی بنا پر میں نادر تک پہنچ سکا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ اُٹھ کر چلے گئے... اور حمید نے فریدی سے کہا "میری بھی ایک پرابلم ہے۔"!"

"فرمایئے...!"

"قاسم اور سکی...!"

"وہ کہہ رہا تھا کہ تمہی اُس لڑکی کو ورغلاتے رہے تھے۔!"

اتنے میں پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ آنے والا قاسم تھا اور بہت زیادہ غصّے میں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا "تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"کیا اچھا نہیں کیا...!" حمید نے اس کی نقل اتاری۔

"کیا ہوا کیا بات ہے!" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ اور قاسم اس طرح چونک پڑا جیسے وہاں اُس کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو...!

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی۔ بس کیا بتاؤں!" قاسم ڈھیلا پڑ کر ہکلایا۔

"بہت غصے میں آئے تھے۔!"

"جی ہاں... بات ہی ایسی تھی۔۔" وہ حمید کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بولا!

"یہ شخص مجھے تو۔ جندہ نہیں رہنے دے گا۔!"

"آخر ہوا کیا!" حمید بگڑ کر بولا۔

تم نے اُس کو قیوں بتا دیا۔۔!" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

"کیا بتا دیا۔۔۔!"

"اب یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو... سس... سس... کچھ نہیں!"

وہ شائد "سالے" کہنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی کی موجودگی کا خیال آتے ہی صرف "سس سس" کر کے رہ گیا تھا۔

"اوہ۔ اچھا... وہ...!" حمید سر ہلا کر بولا!" ہاں میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ تم شادی شُدہ ہو۔ وہ بھی اِس خیال سے کہ شاید اسی طرح تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا...!"

"ابے جاؤ۔ چھوٹ گیا پیچھا۔ وہ کہتی ہے۔ سیکرٹری نہیں بنوں گی۔ مجھ سے شادی کرو۔ تم لوگ تو چار چار شادیاں کرتے ہو۔ میں مسلمان ہو جاؤں گی!"

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ اور حمید بولا!" تب تو وہ بھی پاگل معلوم ہوتی ہے"

"تم خود پاگل...!"

"تو گویا تم چاہتے ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے اور تم اُس سے شادی کر لو"

"یہ قون کہتا ہے..."

"پھر کیا چاہتے ہو..."

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں قیا چاہتا ہوں!" وہ اپنی پیشانی پر دوہتھڑ مار کر بولا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے!" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"جج... جی... کچھ نہیں... ! جہنم میں جا رہا ہوں۔۔!" قاسم نے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

"یہ کیا لغویت پھیلائی ہے تم نے!" فریدی حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

"میں کیا کروں۔!"

"آخر وہ چاہتا کیا ہے!"

"بطور سیکرٹری رکھنا چاہتا ہے۔ شادی نہیں کرنا چاہتا... پہلے وہ اسی پر تیار تھی۔ لیکن جب سے اُسے معلوم ہے کہ قاسم شادی شدہ ہے تو اس پر اُتر آئی ہے کہ وہ بھی شادی کرے گی۔ دراصل اسی لیے وہ مجھے پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے کہ میں نے اُسے حقیقت سے کیوں آگاہ کر دیا!"

"ہمیں ڈیڑھ بجے والے پلین سے واپس چلنا ہے!" فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"کیوں؟۔ کیوں؟ اتنی جلدی کیوں...!"

"سیکرٹری برائے اُمورِ مملکت نے طلب کیا ہے؟"

"کیوں؟ کیا اس ہی کی باز پُرس ہو گی آپ سے!"

"کون باز پُرس کر سکتا ہے! ثبوت اور شواہد کے ساتھ میں نے یہ قدم اُٹھایا ہے۔!"

"پھر کیا بات ہے۔!"

"دوسری الجھن ہے!"

"کیا مجھے بھی نہیں بتا سکتے...؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے ابھی خان ناصر کی زبانی دو قبائلی سرداروں کا ذکر سُنا تھا۔ خان زمان اور خان ابوالخیر جن کے بارے میں سرکاری ریکارڈ پر آچکا ہے کہ وہ ملک سے فرار ہو گئے ہیں۔!"

"جی ہاں مجھے یاد ہے!"

لیکن وہ فرار نہیں ہوئے۔ پروفیسر خلجی کے تہہ خانے سے برآمد ہونے والے دونوں ہڈیوں کے ڈھانچے اُنہی کے تھے۔!"

"خدا کی پناہ۔!"

"نادر نے اس کا اعتراف کر لیا ہے! شہباز اُن سرداروں سے کچھ اعترافات کرانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اُس نے انہیں تہہ خانے کی ایک ایسی کوٹھری میں بند کرا دیا تھا۔ جہاں گوشت خور چوہے تھے۔"

"تو انہیں چوہے کھا گئے...!" حمید نے حیرت سے پوچھا!

"یہی ہوا تھا!"

"ظاہر ہے کہ وہ اُن سے ایسے ہی معاملات کا اعتراف کرانا چاہتا رہا ہوگا جن کا ان سے تعلق نہ رہا ہو!"

"ظاہر ہے ورنہ وہ چوہوں کا شکار کیوں ہوتے!" فریدی طویل سانس لے کر بولا! "بہرحال اب مسئلہ یہ ہے کہ اس معاملے سے متعلق کیا کیا جائے۔ اگر یہ بات ظاہر کی جاتی ہے تو اُن قبائل کو قابو رکھنا دشوار ہو جائے گا۔ جن کے وہ سردار تھے۔"

"واقعی بڑی خطرناک سچویشن ہے!"

"غالباً سیکریٹری صاحب یہی فرمائیں گے کہ اُن ڈھانچوں کا ذکر میں اپنی رپورٹ سے حذف کر دوں۔ ورنہ عدالت میں نادر اور شہباز سے اس کا بھی اعتراف کرایا جائے گا۔"

"آپ دشواری میں پڑ گئے ہیں!"

"میں خود اُسے قلمزد نہیں کروں گا... اُن کا جو دل چاہے کریں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"رپورٹ اُن کے حوالے کر دوں گا۔ اُن کا جو دل چاہے کریں۔ میں خود اپنے قلم سے وہ حصہ حذف نہیں کروں گا۔!"

"یہ اتنا آسان نہ ہوگا۔!"

"استعفیٰ تو آسان ہوگا۔!"

"اُوہ۔ تو کیا اس حد تک بھی بات بڑھ سکتی ہے!"

"اُصولاً بڑھنی تو نہ چاہیے...! خیر دیکھا جائے گا۔ روانگی کی تیاری کرو۔"

دفعتہً پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔! حمید نے دروازہ کھولا اس بار سکی تھی۔!

"وہ مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے!" اُس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"کس سلسلے میں۔!"

"شادی کے سلسلے میں۔! حالانکہ میں تمہارا مذہب بھی قبول کرنے پر تیار ہوں۔!"

"بات دراصل یہ ہے کہ ہم میں سے بہتیرے چار شادیوں کے رواج سے متنفر ہیں... قاسم کا باپ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہے...!"

"باپ سے کیا مطلب!"

"ہمارے یہاں باپ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ باپوں کی زندگی میں ہماری کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا انہیں شادی کے لیے اُس کے باپ کی موت کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا انتظار کرنا پڑے گا۔!"

"میں انتظار کروں گی۔!"

"آخر اس میں کون سی خوبی نظر آئی ہے کہ تم اس حد تک جانے کے لیے تیار ہو۔"

"بالکل بیوقوف ہے۔ ایسے لوگ مجھے بیحد پیارے لگتے ہیں۔ اپنے ملک میں مجھے ایک بھی ایسا نہیں ملا جو بالکل بیوقوف ہوتا۔"

فریدی اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔

تمام شد

آئندہ ناول

عمران سیریز

مونا لیزا کی نواسی

قیمت:- تین سو پیسے

مصنف:- ابنِ صفی بی اے

قہقہوں اور سسپنس سے بھرپور کہانی۔ عمران کے نئے رنگ ڈھنگ... مونا لیزا کی نواسی کون تھی۔ جرائم کی دنیا میں تہلکہ۔ ایسی کہانی جو آسانی سے فراموش نہیں کی جا سکے گی۔ ایڈونچر اور ایکشن سے بھرپور داستان

اپنی کاپیاں آج ہی قریبی بک اسٹالوں پر محفوظ کرا لیجئے۔

نوٹ: ایک کاپی کا وی پی نہیں بھیجا جاتا۔ ایک کاپی کے لیے 3/95 روپے ڈاک کے ٹکٹوں کی شکل میں یا بذریعہ منی آرڈر پیشگی بھیجیے

اسرار پبلیکیشنز ۲/۱ فردوس کالونی کراچی ۱۸